۱۱ غزلیات

اُردو شعری اصناف میں غزل کی خاص اہمیت ہے۔ غزل کی مقبولیت کا بڑا سبب اس کا ایجاز و اختصار، اشاراتی اسلوب اور غنائیت ہے۔ غزل میں گونا گوں انسانی جذبوں کو کم سے کم لفظوں میں ادا کیا جاتا ہے۔ کلاسک غزل میں بنیادی طور پر حسن و عشق کے معاملات اور قلبی واردات کو بیان کیا جاتا تھا مگر زمانے کے ساتھ غزل کے معنوی امکانات میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ اب غزل کسی مخصوص موضوع کی پابند نہیں رہی۔ غزل میں عشق و محبت کے ساتھ معاشرتی، سیاسی، تاریخی اور اساطیری واقعات کو بھی موضوع بنایا جاتا ہے۔ انسانی جذبوں اور تجربوں کی جیسی رنگارنگی ہمیں اس صنف میں دِکھائی دیتی ہے کسی اور صنف میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی مقبولیت کا بڑا سبب مضامین و موضوعات کی یہی رنگارنگی اور تنوّع ہے۔

غزل کا ہر شعر اپنے آپ میں مکمل اور معنی و مفہوم کے اعتبار سے دوسرے شعروں سے جداگانہ ہوتا ہے۔ غزل کی ایک مخصوص ہیئت ہوتی ہے۔ اس میں مطلع، حسن مطلع، قافیہ اور ردیف وغیرہ کی خاص اہمیت ہے۔

غزل کا پہلا شعر 'مطلع' کہلاتا ہے جس کے دونوں مصرعوں میں قافیے کی پابندی ضروری ہے۔ مثلاً غالبؔ کی غزل کا مطلع ہے ؎

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے   آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اس شعر کے پہلے مصرع میں لفظ 'ہوا' شعری اصطلاح میں قافیہ ہے جس کی صوتی مناسبت سے دوسرے مصرع میں 'دوا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مطلع کے بعد ہر شعر کے دوسرے مصرعوں میں قافیے کی پابندی کی جاتی ہے، جیسے غالبؔ کی اُسی غزل کا ایک اور شعر ہے ؎

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار   یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

اس شعر میں 'ماجرا' قافیہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جو آہنگ کے لحاظ سے 'ہوا' اور 'دوا' سے مماثلت رکھتا ہے۔ ردیف اور قافیے کے سبب غزل میں خوش آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ مطلع کے بعد والے شعر میں اگر مطلع کی طرح دونوں مصرعوں میں قافیوں کی پابندی ہو تو 'حسن مطلع' کہلاتا ہے۔ غزل میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے مگر کم سے کم پانچ اشعار کی پابندی کی جاتی ہے۔ غزل کی ایک مخصوص تہذیب اور روایت رہی ہے۔

نظم کے تعارف میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ غزل نظم کی ایک صورت / ہیئت ہے۔ لیکن نظم اور غزل میں یہ اہم فرق ہے کہ نظم جو دس بیس اشعار یا بندوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس کے تمام اشعار ایک ہی موضوع سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جبکہ غزل جس میں پانچ، سات یا زیادہ اشعار ہوتے ہیں، اس کے ہر شعر کا موضوع مختلف ہوتا ہے۔ یعنی غزل شاعری کی ایک ہیئتی صورت ہے۔ اس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ یہ شعر مطلع کہلاتا ہے۔ پھر بعد کے ہر شعر کے دوسرے مصرع میں مطلع کے قافیے سے ملتا دوسرا قافیہ استعمال کیا جاتا ہے۔ قافیہ کے بعد تکرار سے آنے والے لفظ کو ردیف کہتے ہیں۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ اس شعر کو مقطع کہتے ہیں۔

یہاں شامل سوداؔ کی غزل میں دیکھیے :

مطلع کے قافیے	:	کرم / قدم
شعروں کے قافیے	:	ہم / حرم / دم وغیرہ
ردیف	:	دیکھتے ہیں
مقطع	:	آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص 'سوداؔ' استعمال کیا گیا ہے۔

میں یہاں بھی ہوں... ◁ آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی - صفحہ ۱۶۷

۱۔ غزل - سیّد غلام حسینؔ چشتی ایلچ پوری

عام طور پر شمالی ہند کو اُردو ادب کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ اُردو کے اہم شعرا مثلاً میرؔ، غالبؔ، سوداؔ، دردؔ وغیرہ اسی خطے سے اُبھرے۔ اسی زمانے میں جنوبی ہند میں قلی قطب شاہ، وَلی دکنی اور سراجؔ اورنگ آبادی وغیرہ مشہور ہوئے۔ سیّد غلام حسین چشتی ایلچ پوری نے وسط ہند میں شعروسخن کی شمع جلائی۔

جان پہچان : سیّد غلام حسینؔ چشتی ایلچ پوری ۱۷۱۸ء میں ایلچ پور (برار) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد غلام حسن، صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے وطن کچھوچھہ (یوپی) کو چھوڑ کر ایلچ پور میں سکونت اختیار کی تھی۔ سیّد غلام حسین پر اپنے والد کی صوفیانہ تعلیمات کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ دیگر صوفیا کی طرح وہ بھی مذہبی رواداری اور ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے۔ ان کی نظم 'یک رنگ نامہ' قومی یکجہتی کو فروغ دینے والی ہے۔ 'قلندر نامہ'، اشغال نامہ، 'سکھی نامہ' اور 'دھونامہ' بھی اسی قبیل کی نظمیں ہیں۔ انھوں نے اُردو دیوان کے علاوہ ایک فارسی دیوان بھی چھوڑا۔ غلام حسینؔ ایلچ پوری کا انتقال ایلچ پور میں ۱۷۹۵ء میں ہوا تھا۔

دردِ دل غیر کوں بتاووں کیا ۔۔۔ کوئی ہمدرد نئیں ، سناووں کیا
زخم سینے کے میرے ، سینے کوں ۔۔۔ کوئی جراح نئیں ، سِلاووں کیا
گل کے پانی ہوا ہے خونِ جگر ۔۔۔ دل کے ٹکڑے کسے دکھاووں کیا
اپنے انکھاں کی کیفیت کہہ کر ۔۔۔ چشمِ نرگس کتیں رُلاووں کیا
بول سوسن ، زباں سوں حال اپنا ۔۔۔ غنچۂ بستہ لب ہنساووں کیا
داغ سینے کا اپنے دِکھلا کر ۔۔۔ گلِ لالہ کا دل جلاووں کیا

روسیاہی سوں رب حضور ، حسینؔ
ہات خالی ہوں ، اب لِجاووں کیا

معانی واشارات

بتاووں/ سناووں		بتاؤں/ سناؤں (غزل کے قافیوں کا املا پرانی طرز کا ہے)
نئیں	-	نہیں
جراح	-	آپریشن کرنے والا
انکھاں	-	آنکھیں
نرگس	-	ایک پھول کا نام جو آنکھ کی طرح ہوتا ہے
کتیں	-	کو
سوسن	-	ایک پھول کا نام
غنچۂ بستہ لب	-	منہ بند کلی
سوں	-	سے
ہات	-	ہاتھ
لِجاووں	-	لے جاؤں

مشق

* درج ذیل شعر کا مطلب لکھیے:

زخم سینے کے میرے سینے کوں
کوئی جراح نئیں سلاووں کیا

* ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

سیّد غلام حسینؔ چشتی

جائے پیدائش	والد کا نام	قومی یکجہتی والی نظم	جائے وفات
....	....	....	....

* شاعر کے درد دل نہ سنانے کا سبب بیان کیجیے۔
* چشمِ نرگس کے رونے کی وجہ لکھیے۔
* شعر کی تشریح کیجیے۔

داغ سینے کا اپنے دِکھلا کر
گلِ لالہ کا دل جلاووں کیا

* شاعر کے حالِ دل سنانے سے سوسن پر ہوئے اثر کو بیان کیجیے۔
* غزل سے ایک ایسا لفظ لکھیے جس کا املا یکساں ہے مگر معنی مختلف ہیں۔
* غزل میں آئے لفظ 'گل' کو شعر کی مناسبت سے اعراب لگائیے۔
* غزل میں آنکھ کی جمع 'انکھاں' استعمال کیا گیا ہے۔ ایسے دو لفظ لکھیے جن کی اس طرح جمع بنائی جاتی ہو۔
* پھولوں سے متعلق چند اشعار تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔
* انٹرنیٹ پر ولیؔ دکنی اور سراجؔ اورنگ آبادی کی غزلیں تلاش کیجیے۔

۲۔ غزل - مرزا محمد رفیع سوداؔ

میر تقی میرؔ اُردو کے عظیم المرتبت شاعر ہیں۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا ہمارے زمانے میں شاعر کتنے ہیں؟ اس کے جواب میں میرؔ نے شاعروں کی تعداد پونے تین بتائی تھی۔ اس سخت انتخاب میں سوداؔ بھی شامل تھے۔

جان پہچان : مرزا محمد رفیع سوداؔ ۱۷۱۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ حاتم ان کے استاد تھے جو انھیں فخر سے 'پہلوانِ سخن' کہا کرتے تھے۔ بادشاہِ وقت شاہ عالم آفتاب ان سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔ سوداؔ نے غزل، قصیدہ، مثنوی، ہجو اور شہر آشوب وغیرہ اصناف میں طبع آزمائی کی۔ زورِ بیان، شوکتِ الفاظ اور لہجے کی بلند آہنگی ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ ۱۷۸۱ء میں لکھنؤ میں سوداؔ کا انتقال ہوا۔

گدا دستِ اہلِ کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو یک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں

غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

حبابِ لبِ جو ہیں اے باغباں ہم
چمن کو ترے کوئی دم دیکھتے ہیں

خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دِکھاوے
جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں

مٹا جائے ہے حرف حرف آنسوؤں سے
جو نامہ اسے کر رقم دیکھتے ہیں

مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سوؔدا
اسے تیرے کوچے میں کم دیکھتے ہیں

معانی واشارات

گدا	-	فقیر
دست	-	ہاتھ
جم	-	جمشید بادشاہ
دیر	-	مندر، بت خانہ
حرم	-	مسجد
حباب	-	بلبلہ
لبِ جو	-	نہر کا کنارہ
رقم کرنا	-	لکھنا
مگر	-	شاید
رنجیدہ خاطر	-	ناراض

مشق

* نیچے دیے ہوئے لفظوں کے متضاد الفاظ غزل میں تلاش کرکے لکھیے :

اہلِ کرم ، اسلام ، دیر ، دوست

* مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سوؔدا
اسے تیرے کوچے میں کم دیکھتے ہیں
یہ شعر ہے۔

(الف) مطلع (ب) مقطع

* 'کرم، قدم، ہم، حرم، دم، رقم، کم' غزل میں یہ قافیے آئے ہیں۔ دو نئے قافیے لکھیے۔
* اشعار کی تشریح کیجیے۔

۱۔ خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دِکھاوے
جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں

۲۔ غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

* 'زندگی مختصر اور ناپائدار ہے' اس مفہوم کو ادا کرنے والا شعر لکھیے۔
* خودداری اور خوداعتمادی کو ظاہر کرنے والا شعر لکھیے۔
* اپنے دوستوں کے ساتھ درج ذیل نکات پر بات چیت کیجیے۔

۱۔ زندگی میں دوست کی اہمیت وضرورت
۲۔ اپنے کسی دوست کا کوئی یادگار واقعہ

تلمیح

درج ذیل شعر کو پڑھ کر بتائیے کہ اس میں آنے والے حوالوں کا شعر سے کیا تعلق ہے۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

شاعر جب اپنے کلام میں کسی تاریخی واقعے، فرضی حکایت یا مذہبی قصے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس طرح شعر میں آنے والے حوالے کا شعر کے مفہوم سے گہرا تعلق ہوتا ہے تو شعر کی اس خوبی کو 'تلمیح' کی صنعت کہتے ہیں۔

تلمیح کے اشعار کی کچھ اور مثالیں ۔

جاں نثارِ ازلی شیرِ دکن کا وارث
پیشواؤں کے گرجتے ہوئے رن کا وارث

تم کرو صاحب قرانی ، جب تلک
ہے طلسم روز و شب کا در کُھلا

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

کیا کہا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

* سوؔدا کی غزل میں تلمیح کا شعر تلاش کیجیے۔

۳۔ غزل - مرزا داغؔ دہلوی

یہ اُردو زبان کا جادو ہے کہ لوگ تحریر یا تقریر کے دوران اپنی بات کو پُراثر بنانے کے لیے اُردو کے اشعار استعمال کرتے ہیں۔ اس موقع پر داغؔ دہلوی کا یہ شعر بے اختیار یاد آتا ہے جو عام طور پر اُردو کی تعریف میں دہرایا جاتا ہے ۔

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ　　ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

جان پہچان : نواب مرزا خان داغؔ ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ جب وہ چھے سات برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ داغ کو لال قلعہ میں رہنے اور وہیں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور ذوق جیسا استاد بھی ملا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد نواب کلب علی خاں نے انھیں رام پور بلایا تھا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد وہ حیدرآباد آگئے اور میر محبوب علی خاں والیِ دکن کے استاد ہوئے اور 'بلبلِ ہندوستان' اور 'فصیح الملک' کے خطابات پائے۔ ۱۹۰۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا　　جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
دِل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں　　اُلٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
افشائے رازِ عشق میں گو ذِلتیں ہوئیں　　لیکن اُسے جتا تو دیا جان تو گیا
گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر　　مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا
ہوش و حواس و تاب و تواں داغؔ جاچکے　　اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

معانی واشارات

خاطر	-	لحاظ، پاس	نامہ بر	-	پیغام پہنچانے والا
افشائے راز	-	بھید کھلنا	تاب	-	گرمی، چمک
ذِلت	-	بے عزّتی	تواں	-	طاقت، زور

مشق

٭ اوپر دی ہوئی غزل میں پیش کیے گئے یہ بیانات صحیح ہیں یا غلط لکھیے :

۱۔ شاعر جانتا ہے کہ محبوب جھوٹ بول رہا ہے۔
۲۔ محبوب شاعر کا احسان مند ہے۔
۳۔ بے عزّتی کا سامنا کرنے کے باوجود شاعر اپنی کامیابی پر خوش ہے۔
۴۔ محبوب نامہ بر سے خوش نہیں ہے اس لیے شاعر شکر ادا کر رہا ہے۔
۵۔ شاعر اپنا شہر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر جانے والا ہے۔

٭ صحیح متبادل منتخب کیجیے۔

۱۔ مرزا داغؔ کی جائے پیدائش ....
(i) لال قلعہ　(ii) دہلی　(iii) رام پور

۲۔ مرزا داغؔ کی پرورش ....
(i) دہلی　(ii) لال قلعہ　(iii) رام پور

۳۔ مرزا داغؔ کے استاد ....

(i) کلب علی خان (ii) مرزا خان

(iii) میر محبوب علی خان

۴۔ مرزا داغؔ خطابات سے نوازے گئے۔

(i) دو ....

(ii) ایک ....

(iii) تین ....

✳ اشعار کی تشریح کیجیے۔

(i) خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

(ii) گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر
مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا

✳ داغؔ دہلوی کی کوئی اور غزل تلاش کرکے اپنی بیاض میں نقل کیجیے۔

مراعاۃ النظیر

میرؔ کا یہ شعر پڑھیے۔

پتا پتا ، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے ، گل ہی نہ جانے ، باغ تو سارا جانے ہے

اس شعر میں پتا، بوٹا، گل، باغ کے الفاظ ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ یعنی ایک لفظ کی مناسبت سے دوسرا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ شعر میں لفظوں کے ایسے استعمال کو **'مراعاۃ النظیر'** کہتے ہیں یعنی مناسبت کی رعایت۔

✳ اپنی پڑھی ہوئی داغؔ کی غزل میں مراعاۃ النظیر کا شعر تلاش کیجیے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

۴۔ غزل - ناصرؔ کاظمی

اُردو کے چند اہم شاعروں کے نام اگر پوچھے جائیں تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟ یہی نا، میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ، فیضؔ، وغیرہ۔ ان میں سے ہر شاعر کا اپنا انداز ہے۔ نئے شاعروں میں جن لوگوں نے میرؔ کا انداز اور لب ولہجہ اپنایا ان میں ناصرؔ کاظمی ایک اہم شاعر ہے۔ غزل کے تعارف میں بتایا گیا ہے کہ اس میں قافیے کے بعد اکثر بار بار آنے والے لفظ بھی ہوتے ہیں جنھیں ردیف کہتے ہیں۔ غزل میں قافیہ ہونا ضروری ہے لیکن ہر غزل میں ردیف ہونا ضروری نہیں۔ ذیل میں ایسی ہی غزل پیش ہے۔

جان پہچان : ناصرؔ کاظمی ۱۹۲۵ء میں انبالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سیّد ناصر رضا تھا۔ انھوں نے بی۔ اے تک تعلیم پائی۔ مختلف اوقات میں رسالہ 'اوراقِ نو'، 'خیال' اور 'ہمایوں' کی مجلسِ ادارت میں شریک رہے۔ ریڈیو میں اسٹاف آرٹسٹ کی حیثیت سے ملازمت کی۔ ۱۹۷۳ء میں لاہور میں انتقال ہوا۔ 'برگِ نے'، 'دیوان'، 'نشاطِ خواب' اور 'پہلی بارش' کی غزلیں ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 'خشک چشمے کے کنارے' ان کے نثری مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان کا لہجہ نرم، دھیما اور پرسوز ہے۔ ہندی کے کومل الفاظ کو تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ غزل کے اپنے مخصوص رنگ کی بنا پر ان کا شمار اہم ترین جدید غزل گو شاعروں میں ہوتا ہے۔

سناتا ہے کوئی بھولی کہانی
مہکتے میٹھے دریاؤں کا پانی

یہاں جنگل تھے آبادی سے پہلے
سنا ہے میں نے لوگوں کی زبانی

یہاں اک شہر تھا ، شہرِ نگاراں
نہ چھوڑی وقت نے اس کی نشانی

خیالوں ہی میں اکثر بیٹھے بیٹھے
بسا لیتا ہوں اِک دُنیا سہانی

اندھیری شام کے پردوں میں چھپ کر
کسے روتی ہے چشموں کی روانی

پہاڑوں سے چلی پھر کوئی آندھی اُڑے جاتے ہیں اوراقِ خزانی
نئی دنیا کے ہنگاموں میں ناصرؔ
دبی جاتی ہیں آوازیں پُرانی

معانی و اشارات

شہرِنگاراں - حسینوں کا شہر | اوراقِ خزانی - خزاں رسیدہ پتے

مشق

* غزل کے حوالے سے درج ذیل کے کام بیان کیجیے۔
  ا۔ دریاؤں کا پانی ۲۔ چشموں کی روانی
  ۳۔ شاعر
* شعر کی تشریح کیجیے۔
  اندھیری شام کے پردوں میں چھپ کر
  کسے روتی ہے چشموں کی روانی
* اپنے پسندیدہ دو غزل گو شعرا کے دو دو اشعار لکھیے۔
* ناصرؔ کاظمی کی غزل کی خوبیاں بیان کیجیے۔

۵۔ غزل - کلیم عاجزؔ

پہلی بات : عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عقل مند کو اشارہ کافی ہے۔ غزل میں شاعر اشاروں میں کبھی بڑی گہری بات کہہ جاتا ہے، کبھی اپنے دل کا حال بیان کر جاتا ہے۔ بادشاہوں کے دور میں کسی کی کیا مجال جوان کے خلاف لب کشائی کرے۔ اس زمانے میں شاعر اپنے کلام میں محبوب کی زیادتیاں بیان کیا کرتا تھا مگر واقعتہً وہ حکمرانوں کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ یہ روایت غزل میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اشارے اتنے بلیغ ہوا کرتے ہیں کہ ان اشعار کو ہر اس شخص کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے جن کی زیادتیوں کو بیان کرنا ہے۔
کلیم عاجزؔ کی یہ غزل اسی مزاج اور رنگ و آہنگ کی حامل ہے۔ ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے ؎
دامن پہ کوئی چھینٹ ، نہ خنجر پہ کوئی داغ تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

جان پہچان : کلیم عاجزؔ ۱۱؍ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو تلہارا ضلع نالندہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پٹنہ مسلم اسکول میں مکمل کی۔ پھر پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ کلیم عاجزؔ نے ملک اور بیرونِ ملک کے اہم مشاعروں میں اپنا کلام سنایا۔ 'جب فصلِ بہاراں آئی تھی، وہ جو شاعری کا سبب ہوا (شاعری)، جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی (خودنوشت)، یہاں سے کعبہ، کعبہ سے مدینہ (سفرنامہ)' ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں حکومتِ ہند نے انھیں پدم شری کے اعزاز سے نوازا۔ ۱۵؍ فروری ۲۰۱۵ء کو ہزاری باغ میں ان کا انتقال ہوا۔

میرے ہی لہو پر گزر اوقات کرو ہو مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرو ہو
دن ایک ستم ، ایک ستم رات کرو ہو وہ دوست ہو ، دشمن کو بھی تم مات کرو ہو
ہم خاک نشیں ، تم سخن آرائے سرِ بام پاس آ کے ملو ، دُور سے کیا بات کرو ہو
ہم کو جو ملا ہے وہ تمھیں سے تو ملا ہے ہم اور بھلا دیں تمھیں ، کیا بات کرو ہو

یوں تو ہمیں منہ پھیر کے دیکھو بھی نہیں ہو جب وقت پڑے ہے تو مدارات کرو ہو
دامن پہ کوئی چھینٹ ، نہ خنجر پہ کوئی داغ تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو
بکنے بھی دو عاجزؔ کو جو بولے ہے ، بکے ہے
دیوانہ ہے ، دیوانے سے کیا بات کرو ہو

معانی واشارات

کرو ہو	-	کرتے ہو	
سخن آرائے سرِبام	-	چھت یا بلندی سے بات کرنا	

مشق

✳ صحیح مصرعوں کی جوڑیاں لگائیے :

ستون 'الف'	ستون 'ب'
ا۔ میرے ہی لہو پر گزر اوقات کرو ہو	پاس آ کے ملو ، دُور سے کیا بات کرو ہو
۲۔ دن ایک ستم ، ایک ستم رات کرو ہو	جب وقت پڑے ہے تو مدارات کرو ہو
۳۔ ہم خاک نشیں ، تم سخن آرائے سرِ بام	مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرو ہو
۴۔ یوں تو ہمیں منہ پھیر کے دیکھو بھی نہیں ہو	وہ دوست ہو ، دشمن کو بھی تم مات کرو ہو

✳ کلیم عاجزؔ کے شخصی خاکے کو مکمل کیجیے۔

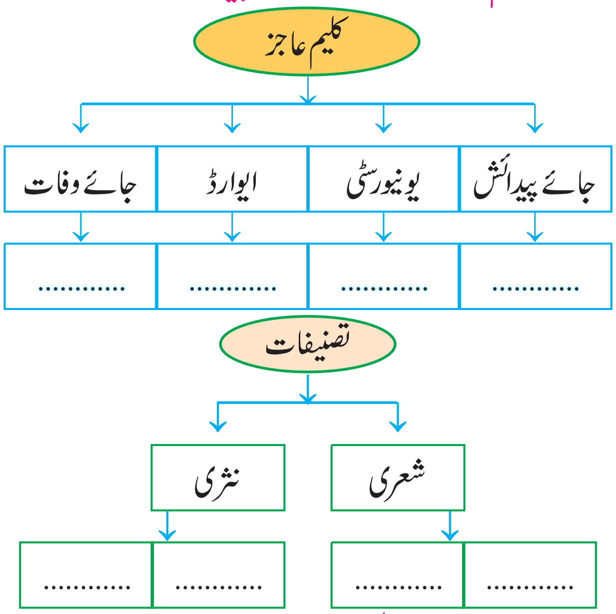

✳ کہاوت 'ہماری بلی ہمیں سے میاؤں' کے مفہوم والے شعر کو تلاش کرکے لکھیے۔

✳ دو دو متضاد الفاظ والا شعر لکھیے۔

✳ خاک نشین اور سرِبام کے تعلق کو واضح کیجیے۔

✳ مدارات کرنے کی وجہ لکھیے۔

✳ شعر کی تشریح کیجیے۔

دامن پہ کوئی چھینٹ ، نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

✳ درج ذیل مفہوم کا شعر غزل سے نقل کیجیے۔

میری اپنی کسی بھی اچھی بری چیز یا حالت کی وجہ تم ہو، ہم تمھیں بھلا دیں یہ ہو نہیں سکتا۔

✳ تین خالی کالموں میں تین ایسے حروف لکھیے جن سے غزل کی چار ردیفیں تیار ہو جائیں۔

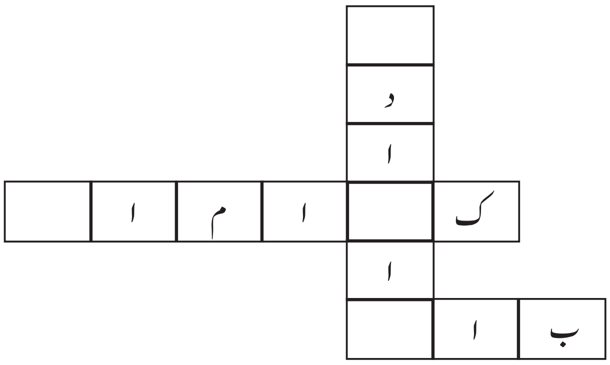

* غزل کے چوتھے شعر میں 'کیا بات کرو ہو' کے مفہوم کا صحیح متبادل لکھیے۔

(الف) بات مت کرو (ب) ایسا نہیں ہوسکتا

(ج) بات کرنا مشکل ہے

* آپ جانتے ہیں کہ غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیے ہوں تو اس شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ غزل کے دوسرے شعر میں بھی مطلع کی طرح قافیے ہوں تو استاد سے ایسے شعر کا اصطلاحی نام معلوم کیجیے۔
* کلیم عاجزؔ کی غزل میں ایسے شعر کے قافیے اور ردیف کی نشان دہی کیجیے۔
* لفظ 'دوست' سے متعلق اشعار جمع کر کے یاد کیجیے۔

صنعتِ تضاد

میرؔ کی مثنوی کے یہ مصرعے دیکھیے

بیٹھے اُٹھتے نہیں ہیں بام و در
ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے
تر ہیں جو خشک اور تروں میں ہیں
جزر و مد ، جس کا تا فلک جا ہے

ان میں 'اُٹھتے - بیٹھتے، رحمت - زحمت، تر - خشک، جزر - مد' الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جب شعر میں ایسے متضاد الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس صنعت کو 'تضاد' کہتے ہیں۔

* سوداؔ کی غزل میں تضاد کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔
* کلیم عاجزؔ کی غزل میں تضاد کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔
* دیوانِ غالبؔ سے کوئی ایسی غزل تلاش کر کے لکھیے جس میں قافیے ہوں، ردیف نہ ہوں۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے
www.sherosokhan.com

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

۶۔ غزل - مجروحؔ سلطان پوری

شاعری ہمارے اندر جینے کی اُمنگ اور آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی پیدا کرتی ہے۔ اسی قسم کا ایک شعر ہے ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اس شعر کے خالق ہیں مجروحؔ سلطان پوری۔

جان پہچان : مجروحؔ سلطان پوری کا اصل نام اسرار الحسن خان تھا۔ وہ یکم اکتوبر ۱۹۱۹ء کو سلطان پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے انھوں نے عالم کی سند حاصل کی تھی۔ مجروحؔ سلطان پوری مشہور ترقی پسند شاعر ہیں۔ انھوں نے کئی فلموں کے لیے گیت بھی لکھے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں انھیں 'دادا صاحب پھالکے ایوارڈ' سے نوازا گیا۔ اس انعام کو حاصل کرنے والے وہ اوّلین فلمی نغمہ نگار تھے۔ ان کی شاعری میں لب ولہجہ کی بلند آہنگی کے ساتھ جوش وخروش پایا جاتا ہے۔ 'غزل' اور 'مشعلِ جاں' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۲۴ مئی ۲۰۰۰ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

تقدیر کا شکوہ بے معنی ، جینا ہی تجھے منظور نہیں
آپ اپنا مقدر بن نہ سکے ، اتنا تو کوئی مجبور نہیں

یہ محفلِ اہلِ دل ہے ، یہاں ہم سب مے کش ، ہم سب ساقی
تفریق کریں انسانوں میں ، اس بزم کا یہ دستور نہیں

جنت بہ نگہ تسنیم بہ لب انداز اس کے اے شیخ نہ پوچھ
میں جس سے محبت کرتا ہوں ، انساں ہے خیالی حور نہیں

وہ کون سی صبحیں ہیں جن میں بیدار نہیں افسوں تیرا
وہ کون سی کالی راتیں ہیں جو میرے نشے میں چور نہیں

سنتے ہیں کہ کانٹے سے گل تک ہیں راہ میں لاکھوں ویرانے
کہتا ہے مگر یہ عزمِ جنوں ، صحرا سے گلستاں دور نہیں

مجروح اُٹھی ہے موجِ صبا ، آثار لیے طوفانوں کے
ہر قطرۂ شبنم بن جائے ، اک جوئے رواں کچھ دور نہیں

معانی واشارات

جنت بہ نگہ	- نگاہوں میں جنت	افسوں	- جادو
تسنیم	- جنت کی ایک نہر	جوئے رواں	- بہتا دریا

مشق

* نیچے دیے ہوئے لفظوں میں غیر متعلق لفظ تلاش کیجیے :
۱۔ مے کش ساقی مدرسہ محفل
۲۔ تسنیم زمزم جنت حور
۳۔ گل گلستاں شبنم صحرا
۴۔ جامِ جم موجِ صبا جوئے رواں چشمۂ زمزم

* درج ذیل شعر کا مطلب بیان کیجیے :
تقدیر کا شکوہ بے معنی جینا ہی تجھے منظور نہیں
آپ اپنا مقدر بن نہ سکے اتنا تو کوئی مجبور نہیں

* ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔
۱۔ قطرۂ شبنم اور جوئے رواں کے فرق کو واضح کیجیے۔
۲۔ غزل کے حوالے سے 'محفلِ اہلِ دل' کی خصوصیت بیان کیجیے۔
۳۔ انسان کو آزاد رہنے کی تلقین کرنے والے شعر کو نقل کیجیے۔
۴۔ 'کہتا ہے مگر یہ عزمِ جنوں، صحرا سے گلستاں دور نہیں' اس مصرعے کو نثر میں تبدیل کیجیے۔

* غزل کے حوالے سے لاکھوں ویرانوں اور صحرا کی مصیبتوں کو ختم کرنے والے لفظ کو لکھیے۔
* ایسا مصرع یا شعر نقل کیجیے جس میں متضاد الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔
* غزل کے ردیف اور قافیوں کو الگ الگ لکھیے۔

۷۔ غزل - ساجدؔہ زیدی

بے شمار بلند پایہ ادیبوں اور شاعروں نے اُردو زبان و ادب کی ترقی میں اپنی گراں قدر خدمات پیش کی ہیں۔ سخنوروں کے اس قافلے میں ہمیں کئی شاعرات کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ مہ لقا بائی چنؔدا، پروینؔ شاکر، کشور ناہیؔد، فہمیدہ ریاضؔ، آداؔ جعفری، عذرا پروینؔ، شفیق فاطمہ شعریٰؔ، ساجدؔہ زیدی، زاہدؔہ زیدی، رفیعہ شبنمؔ عابدی، شبنمؔ عشائی، وغیرہ۔ ان شاعرات کی سوچ، احساسات، اندازِ بیاں اور اسلوب نے اُردو شاعری کو نئے رنگ و آہنگ سے روشناس کرایا ہے۔

جان پہچان : ساجدہ زیدی ۱۹۲۶ء میں پانی پت (میرٹھ) میں پیدا ہوئیں۔ وہ ادیبہ، شاعرہ اور ماہرِ تعلیم بھی تھیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیمات میں انھوں نے درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ انھیں دہلی اُردو اکادمی نے بہادر شاہ ظفر ایوارڈ سے نوازا تھا۔ 'جوئے نغمہ، آتشِ سیال، سیلِ وجود' اور 'آتش زیرِ پا' ان کے شعری مجموعے ہیں اور 'مٹی کے حرم، موجِ ہوا' اور 'پیچاں' ان کے ناول ہیں۔ 'تلاشِ بصیرت' اور 'گزرگاہِ خیال' ان کی تنقیدی کتابیں ہیں۔ انھوں نے مغربی فلسفیوں کی بہت سی تحریروں کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ انھوں نے منظوم ڈراما بھی لکھا۔ ۱۱؍ مارچ ۲۰۱۱ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

عہدِ غم ، موسمِ گل ، حرفِ وفا یاد نہیں ۔۔۔ کیا بتائیں تجھے اے دل ہمیں کیا یاد نہیں
جس نے کہرام سا سینے میں مچا رکھا تھا ۔۔۔ اب تو اس دل کے دھڑکنے کی ادا یاد نہیں
قافلہ تھا کہ نہیں ، ہم سفراں تھے کہ نہیں ۔۔۔ کوئی 'آوازِ درا' کوئی صدا یاد نہیں
تیرا بسنا تو کہاں یاد ہو اس موسم میں ۔۔۔ دلِ وحشی ترے لُٹنے کی فضا یاد نہیں
کیا کریں شکوۂ اربابِ سیاست اے دل ۔۔۔ دوست داروں کی عنایت کا گِلہ یاد نہیں
دے تو سکتے تھے جوابِ ستمِ دوست مگر ۔۔۔ کیا کریں ہم کو کوئی طرزِ جفا یاد نہیں

کون تھے ، کیا تھے ، کہاں تھے ، ہمیں کس کی تھی طلب
خود ہمیں اپنی ہی ہستی کا پتا یاد نہیں

معانی واشارات

لفظ		معنی
حرفِ وفا	-	مرادِ محبت
ہم سفراں	-	ہم سفر کی جمع
دلِ وحشی	-	پاگل دل
درا	-	گھنٹی
شکوۂ اربابِ سیاست	-	سیاست دانوں کی شکایت
طرزِ جفا	-	ظلم کا طریقہ

٭ **ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔**

۱۔ شاعرہ نے دوستوں کے دیے ہوئے دکھ درد کا جواب نہیں دیا، وجہ لکھیے۔

۲۔ غزل کے حوالے سے 'دوست داروں کی عنایت' کا مطلب لکھیے۔

۳۔ 'جس نے کہرام سا سینے میں مچا رکھا تھا' کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

۴۔ صحیح متبادل کا انتخاب کیجیے:

غزل میں شاعرہ کا مخاطب (دل، دوست، محبوب، دشمن)

۵۔ ویب مکمل کیجیے۔

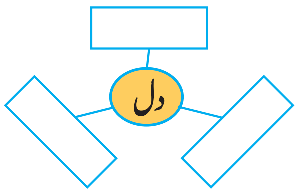

٭ غزل سے ہم معنی لفظوں کی دو جوڑیاں لکھیے۔

٭ غزل سے زیر اضافت والے الفاظ لکھیے۔

٭ غزل کے قافیوں کو حروفِ تہجی کی ترتیب میں لکھیے۔

٭ غزل کے قافیوں میں دو نئے لفظوں کا اضافہ کیجیے۔

٭ **یہاں چند شعرا کے نام دیے ہوئے ہیں۔ آپ ان کے تخلص تلاش کرکے ان کے نام کے آگے لکھیے۔**

ع	ا	ن	ی	س	و	د	ا	غ	م
د	ب	د	ج	ا	ق	ب	ا	ل	ص
م	ج	ر	و	ح	س	ر	ت	پ	ح
و	گ	د	ش	ر	ت	ذ	و	ق	ف
م	ر	ث	ف	ی	ض	ن	م	ت	ی
ن	ا	ص	ر	ج	د	ظ	ج	ی	ا
چ	ک	غ	ا	ل	ب	ی	ا	ل	س
و	ب	ش	ز	م	ی	ر	ز	ش	ش
ل	ر	ا	ظ	ف	ر	ا	ق	و	ا
ی	ز	د	س	ر	ا	ج	ہ	ق	ذ

- عبدالحمید..........
- شیخ محمد..........
- ابوظفر سراج الدین محمد..........
- میر تقی..........
- سیّد شاہ..........اورنگ آبادی
- مرزا اسداللہ خاں..........
- احمد..........
- فیض احمد..........
- شیخ محمد ابراہیم..........دہلوی
- میر ببر علی..........

- سیّد ناصر رضا..........کاظمی
- نواب مرزا خاں..........دہلوی
- مرزا محمد رفیع..........
- عبدالحئی..........لدھیانوی
- رگھوپتی سہائے..........گورکھپوری
- اسرارالحق..........لکھنوی
- سیّد ولی محمد..........اکبر آبادی
- ولی محمد..........اورنگ آبادی

- شبیر حسن خان..........ملیح آبادی
- سیّد خواجہ میر..........
- شیخ غلام ہمدانی..........
- محمد مومن خاں..........
- سیّد فضل الحسن..........موہانی
- علی سکندر..........مرادآبادی
- اسرارالحسن خاں..........سلطان پوری
- سیّد اکبر حسین..........الہ آبادی

- سیّد فصیح الدین..........تمکنت
- احمد علی..........قدوائی
- مرزا واجد حسین..........یگانہ چنگیزی
- اورنگ زیب..........شفائی
- مرزا سلامت علی..........
- سیّد علی محمد..........عظیم آبادی

اضافی مطالعہ

مختصر افسانہ

کہانی کہنے اور سننے کی روایت قدیم زمانے سے قائم ہے۔مختصر افسانہ اسی قدیم کہانی کی جدید شکل ہے۔اگرچہ اس کی موجودہ ہیئت (فارم) ہم نے مغرب سے لی ہے مگر آج مختصر افسانہ اُردو ادب کی ایک مقبول ترین صنف تسلیم کی جاچکی ہے۔مختصر افسانے میں زندگی کے کسی ایک پہلو یا کسی ایک واقعے کو ایجاز واختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔پلاٹ،کردار،مکالمے،نقطۂ نظر،پس منظر اور زبان و بیان کی شستگی مختصر افسانے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ان اجزا کے توازن اور تناسب سے افسانے کی تشکیل ہوتی ہے۔بدلتے حالات کے زیر اثر افسانے کی تکنیک میں کئی تبدیلیاں کی گئیں لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود آج بھی مختصر افسانہ اسی 'بیانیہ' کی بنیاد پر کھڑا نظر آتا ہے جس کی داغ بیل سو برس پہلے پریم چند نے ڈالی تھی۔

یہاں مہاراشٹر کے تین منتخب افسانہ نگاروں کی نگارشات پیش کی جارہی ہیں۔مہاراشٹر کی ریاستی زبان مراٹھی ہے مگر یہاں کی تاریخ و ثقافت میں اُردو زبان و ادب کا بھی خاصا حصہ ہے،خاص طور پر ممبئی میں اُردو مختصر افسانے کی ایک مستحکم روایت ابتدا سے قائم ہے۔ممبئی اور مہاراشٹر کے دیگر علاقوں اور شہروں کے افسانہ نگاروں پر وہاں کی بولی ٹھولی،معاشرت اور رسم و رواج کے اثرات نمایاں ہیں۔

یہاں اضافی مطالعے کے تحت طلبہ کے معیار اور مزاج کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایسے تین افسانوں کا انتخاب کیا گیا ہے جن کے مطالعے سے طلبہ اُردو افسانے کی عمومی صورتِ حال سے واقف ہوسکتے ہیں۔

میں یہاں بھی ہوں...

- آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی - صفحہ ۷۸ (ایڈیشن ۲۰۱۴ء)

انٹرنیٹ کی دنیا سے
www.allurdubooks.blogspot.in/p/urdu

۱ آخری خواہش

انور قمر

جان پہچان : انور قمر ۵/فروری ۱۹۴۱ء کو ناشک میں پیدا ہوئے۔ ممبئی میں تعلیم حاصل کی۔ تیس برس تک کیٹرنگ کے پیشے سے وابستہ رہے۔ ۱۹۷۰ء کے بعد کے افسانہ نگاروں میں اُن کا ایک منفرد اور نمایاں مقام ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں سماج کے متوسط اور نچلے متوسط طبقے کے نادار، مظلوم اور مجبور افراد کے مسائل کو نہایت چابک دستی سے پیش کیا ہے۔ انسانی نفسیات کی گرہ کشائی میں انھیں خاصی دسترس حاصل ہے۔ زندگی اور سماجی مسائل سے جڑے ان کے افسانوں میں سیاسی اور معاشرتی بصیرت کے ساتھ رمزیت اور اشاریت کا پہلو بھی بہت نمایاں ہے۔ 'چاندنی کے سپرد'، چوپال میں سنا ہوا قصہ، کلر بلائنڈ' اور 'جہاز پر کیا ہوا؟' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ مہاراشٹر اُردو ساہتیہ اکیڈمی نے انھیں انعام سے نوازا ہے۔ 'آخری خواہش' انور قمر کے چوتھے مجموعے 'جہاز پر کیا ہوا؟' میں شامل ہے۔ افسانہ بظاہر سادہ اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ سزائے موت پانے والے کردار کی آخری خواہش بھی بہت معمولی ہے مگر اس معمولی خواہش کے پس پردہ انسانی زندگی کی المناکی، بے وقعتی اور محرومی کو اس فنکارانہ خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ افسانے کے اختتام پر قاری تڑپ اُٹھتا ہے۔ اپنی سادگی اور پُرکاری کے سبب یہ افسانہ قاری کے ذہن پر نقش ہوجاتا ہے اور یہی اس افسانے کی خوبی ہے۔

''ہجور! آخری خواہش تو یہ ہے کہ مجھے آپ پھانسی پر لٹکانے سے پہلے بہت سا دال بھات کھانے کو دے دیں۔''

انگریز مجسٹریٹ نے جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو مجرم کی آخری خواہش پوری کرنے کا حکم صادر فرمایا اور 'کورٹ اِز اڈجرنڈ' کہہ کر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

'پرما' جواڑیسہ کے جنگلوں میں بسے ادی باسیوں کے قبیلوں میں سے کسی ایک کا فرد تھا، اپنے جھونپڑے کے باہر بیٹھا ناریل کے پتوں اور بانس کی پھچیوں سے ٹوکریاں بناتا تھا۔ وہ تمام ادی باسیوں کی طرح صرف ایک بالشت کپڑے سے اپنے نچلے بدن کو ڈھانکے رہتا۔ اس کے گلے میں رنگ برنگ پتھروں کی مالائیں پڑی رہتیں۔ چہرے کو وہ سرخ، سبز اور سفید رنگ سے یوں پینٹ کیا کرتا تھا کہ وہ رنگ گویا اُس کی آبائی شناخت کے مظاہر ہوں۔ وہ دبلا پتلا اور لمبا شخص تھا۔ عمر چالیس کے قریب رہی ہوگی۔ جب شکار کے پیچھے دوڑتا تو نشیب وفراز کا فرق مٹ جاتا۔ اُس کی رفتار میں کمی نہ آتی۔ راہ میں آنے والے پودوں پر سے وہ قلانچ مار کر گزر جاتا۔ پیڑ کی جھکی ہوئی ٹہنیوں کو دور ہی سے دیکھ کر، جھک کر، ہاتھوں کو ٹیک کر، چوپایوں کا سا پوز اختیار کر لیتا اور اس کے نیچے سے نکل جاتا۔ سبزیاں، پرندوں کا گوشت اور چاول اس کی غذا تھی لیکن فاقے بھی کرنا پڑتے تھے۔ چاول ہوتے تو سبزیاں نہیں پکتیں، پرندہ ہوتا تو چاولوں سے محروم رہتا۔ کبھی کبھار ہی اُسے پیٹ بھر کھانا نصیب ہوتا۔ جنگلوں میں جڑی بوٹیاں کثرت سے ہوا کرتی ہیں۔ یہ ان کو بھؤن بھان کر کھا لیا کرتا تھا۔

جیل سپرنٹنڈنٹ نے اگلے دن تڑکے ہی پھانسی دینے سے پرما کو واقف کر دیا۔ پرما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سپرنٹنڈنٹ عبدالرزّاق خان دراز قد چوڑا چکلا شخص تھا جس کی گھنی اور پیچ دار مونچھیں اور گول بادامی رنگ کے شیشوں کی عینک اُسے خطرناک حد تک بارعب بنائے ہوئے تھی۔ اُس کے آفس میں سیلن، پرانے کاغذوں اور فائلوں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے شیشم کا سیاہ گول ڈنڈا ہاتھوں میں مانجھے کی پھرکی کی طرح گھماتے ہوئے پوچھا، ''تجھے کھانا کب دیا جائے؟''

''پھانسی سے پہلے۔''

’’رات کو باورچی خانہ بند ہوتا ہے۔ شام کو پکا کر رکھا ہوا کھا لے گا؟‘‘

’’کھانے کو تو میں کئی دن کا باسی کھالوں گا۔ مگر چونکہ یہ آخری بھوجن ہوگا اس لیے گرما گرم کھانے کو جی چاہتا ہے ورنہ کوئی بات نہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے! کتنا کھائے گا؟‘‘

یہ کہہ کر عبدالرزّاق خان نے اپنے چمڑے کے جوتوں سمیت پیر اونچے ٹیبل پر رکھ دیے۔ پرما کرسی پر ٹیبل کی دوسری جانب اُکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ پرما نے دونوں ہاتھ پھیلا کر چاول کی مقدار بتائی،’’اِتنا...‘‘

’’اور دال؟‘‘

پرما نے بالٹی کا بطور ظرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ پھر اُس کے تلے سے اوپر تک بھرے رہنے کا اشارہ کیا۔ عبدالرزّاق خان نے چشمے کی بادامی کانچ کے اوپر سے اُسے گہری نظر سے دیکھا۔ گویا وہ اتنی بڑی مقدار میں دال بھات طلب کرنے کا اصل سبب جاننا چاہتا ہو۔’’اتنا کھا لے گا تو؟‘‘

پرما نے دوبارہ اثبات میں گردن ہلا دی۔

اگلے دن پھانسی تھی۔ پرما کے سر کے بال اُسترے سے اُتارے گئے۔ داڑھی بنائی گئی، قیدیوں کی نئی وردی پہننے کو دی گئی۔ کوئی اس کے مذہب سے واقف نہ تھا۔ پرما خود واقف نہ تھا۔ چنانچہ پادری، مولوی، پنڈت اور بودھ بھکشو کو بلایا گیا۔ چاروں نے اپنے اپنے طرز پر اُس کی نجات کی دعا کی۔ اسے اپنی اپنی مذہبی زبان میں آخرت پر بھروسا اور گناہ کی بخشش کے لیے دعا مانگنے کی صلاح دی اور چلے گئے۔

مگر جانے سے پہلے بودھ بھکشو نے عبدالرزّاق خان سے پوچھا،’’کیا آپ ہمیں بتانا گوارا فرمائیں گے کہ اسے کس گناہ کی پاداش میں سزائے موت دی جا رہی ہے؟‘‘

’’اُس نے ایک انگریز کا قتل کیا تھا۔‘‘

’’انگریز کا قتل! مگر کیوں؟‘‘

عبدالرزّاق خان نے اُس کے ساتھ جیل کو محیط اونچی مضبوط اور طویل دیوار کے پھاٹک پر رُکتے ہوئے کہا،’’ایک روز یہ بیٹھا ٹوکری بنا رہا تھا کہ اس کی بیٹی نے گھنے پودوں کے پیچھے چمکتی ہوئی آنکھوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بابا وہ ہرن مجھے لا دے۔ پرما بیٹی پر جان نثار کرتا تھا۔ مسکراتا ہوا اُٹھا اور دوڑ پڑا ہرن پکڑنے کو۔ کافی دور تک اُس نے ہرن کا پیچھا کیا۔ قریب تھا کہ یہ اُسے پکڑ لیتا کہ ٹھائیں کی آواز ہوئی اور ہرن گر کر تڑپنے لگا۔

پرما نے دیکھا کہ ایک انگریز بندوق اُٹھائے دو مقامی لوگوں کے ساتھ ہرن کی طرف چلا آ رہا ہے۔ پرما نے ہرن کی تڑپ اور آنکھوں سے غم و حسرت کا دھواں اُٹھتا دیکھا تو اُسے غصہ نہیں آیا بلکہ بس ایک خیال آیا۔ اُس نے وہاں پڑا ہوا پانچ سیر کا پتھر اُٹھا کر انگریز شکاری کے مستک پر دے مارا۔ چوٹ ایسی شدید تھی کہ موقعِ واردات پر ہی اس کی موت ہوگئی۔‘‘

جیل کے پھاٹک کے پیٹ میں بنا چھوٹا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ چاروں جیل سپرنٹنڈنٹ سے ہاتھ ملا کر یکے بعد دیگرے باہر چلے گئے۔ ان چاروں کے دلوں کو یہ خیال صدمہ پہنچا رہا تھا کہ انھوں نے جس کی نجات اور بخشش کے لیے دعا کی تھی کیا وہ واقعی میں قصوروار اور سزائے موت کا مستحق تھا؟

کوّے تو پتا نہیں کیا دیکھ کر کائیں کائیں کرنے لگتے ہیں مگر مرغ ایسی غلطی نہیں کرتے۔ جب تک تڑکا نہ ہو، بانگ نہیں دیتے۔ پرما سویا کہاں تھا؟ رات بھر جاگتا رہا تھا۔ اسے اپنی زندگی کے سخت اور کٹھور، شادمانی اور آنند کے دن یاد آئے۔ ماں کے دیہانت کا دن،

باپ کو سانپ کے کاٹنے اور اُس کے تڑپ کر مر جانے کا دن، بیوی سے بیاہ کا دن، بچی کی پیدائش کا دن، پھر اُسے یاد آیا کہ اُس کے جسم کے تمام اعضا جیل کی مہینے بھر کی قید کے ماحول میں سکڑ سمٹ کر رہ گئے ہیں۔

راہ داری میں سپاہیوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ تین تھے۔ ایک نے بڑا پتیلا کپڑے کی مدد سے پکڑ رکھا تھا، دوسرا بالٹی اُٹھائے ہوئے تھا۔ دونوں ظروف ڈھکے ہوئے تھے۔ جب اُن پر سے ڈھکن ہٹائے گئے تو تازہ پکے ہوئے دال چاول کی بھاپ کے ساتھ ان میں بسی ہوئی سوندھی سوندھی خوشبو کمرے میں پھیل گئی۔ اُنھوں نے ایک ٹاٹ بچھا کر ایک ایلومینیم کی بڑی سی رکابی رکھ دی۔ پانی کی صراحی اور گلاس بھی پاس ہی رکھ دیا۔

پرما نے اُن کے رویے میں تبدیلی دیکھی۔ آج اُن کے کھانا پروسنے کا انداز خاصا مہذبانہ تھا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ یوں دیتے تھے جیسے کتوں کو راتب دے رہے ہوں۔

اُس نے تھوڑے سے دال چاول رکابی میں ڈال کر کھا لیے۔ جی نہ بھرا تو اور کھائے پھر اور ...گویا آج ہی اُسے پیٹ بھر کھانا نصیب ہوا ہو! اُس کے باوجود بہت سا دال بھات بچ گیا۔ اُس نے اسے احتیاط سے ڈھک دیا۔ گلے میں سے رنگ برنگی پتھروں کی مالائیں نکالیں، کلائی پر سے لوہے کا کنگن اُتارا، کان میں پڑے ہوئے سوراخوں میں سے کوڑیوں اور ہاتھی دانت کے حلقے نکالے۔ وہ کپڑا بھی اُس نے دھو کر خشک کر کے احتیاط سے رکھا تھا جسے وہ اپنا ستر چھپانے کے لیے باندھا کرتا تھا۔ اُس نے کل شام ہی کو یہ تمام چیزیں سپرنٹنڈنٹ کی کسٹڈی سے التجا کر کے منگوالی تھیں۔ اس نے ان کو کھانے کے برتنوں کے اطراف یوں سجا کر رکھ دیا تھا گویا ہر چیز اس کے قبضے اور تصرّف میں ہو۔

پھانسی کھڑی ہو چکی تھی۔ جلاّد پھانسی کی ٹکٹکی سے بندھی رسّی کو بار بار کھینچ کر اُس کی مضبوطی کو جانچ رہا تھا۔

عبدالرزّاق خان کے نعل لگے ہوئے جوتوں کی آواز راہ داری میں گونجی۔ تالا کھولا گیا۔ لوہے کا دروازہ کُھلا۔

''پرما چلیں۔ پھانسی کھڑی ہو چکی ہے۔ تڑکا ہونے والا ہے۔''

پرما نے حسبِ معمول اثبات میں گردن ہلا دی۔ پھر فرش پر رکھی ہوئی تمام اشیا کی جانب اُنگلی سے اشارہ کرتا ہوا بولا، ''سرکار! یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں میری ہیں، ہیں نا؟''

خان نے اثبات میں گردن ہلا کر ''ہوں'' کہا۔

پھر اُس نے دونوں برتنوں پر سے ڈھکن ہٹایا۔ اُن میں دال چاول رکھے ہوئے تھے۔

''اور ساب! یہ کھانا؟''

''یہ بھی تمھارے لیے ہی پکایا گیا تھا۔''

''تو پھر میرا ہوا نا؟''

''ٹھیک ہے تمھارا سہی۔''

''تو سرکار! ایک کرم کیجیے گا۔ میری لاش کو لینے کے لیے میری بیوی، میری بیٹی، میرا بھائی وغیرہ آنے والے ہیں۔ یہ بات انھوں نے مجھے پھانسی کی سزا دیے جانے کے دن عدالت میں بتائی تھی۔''

''ہوں'' سپرنٹنڈنٹ خان کے منہ سے پھر نکلا۔

''تو صاحب! ان چیزوں کے ساتھ یہ کھانا بھی اُن کو دے دیجیے گا۔''

۲ ۱۹/مارچ ۲۱۵۰ء

نورالحسنین

جان پہچان : نورالحسنین ۱۹/ مارچ ۱۹۵۰ء کو اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سیّد نورالحسنین نقشبندی ہے۔ انھوں نے اُردو سے ایم۔ اے کیا۔ چند سال تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔ بعد میں آکاش وانی میں اناؤنسر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 'سمٹتے دائرے، مور رقص اور تماشائی، گڑھی میں اُترتی شام' اور 'فقط بیان تک' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ بچوں کے لیے کہانیاں اور ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ 'اہنکار، ایوانوں کے خوابیدہ چراغ اور چاند ہم سے باتیں کرتا ہے' ناول ہیں۔ اُن کی کتابوں پر کئی انعامات مل چکے ہیں۔ مہاراشٹر اُردو ساہتیہ اکیڈمی نے انھیں 'شاہ سراج اورنگ آبادی ریاستی انعام' سے بھی نوازا ہے۔ نورالحسنین کے ناولوں اور افسانوں میں ماضی کی صدائے بازگشت واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔ اُنھوں نے اپنے افسانوں کے موضوعات اپنے اطراف کی معاشرتی، تہذیبی اور رومانوی زندگی سے اخذ کیے ہیں۔ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی پاسداری بھی اُن کے افسانوں کا ایک اہم موضوع ہے۔ اُردو میں 'سائنس فکشن' پر بہت کم لکھا گیا ہے۔

زیرِ نظر افسانہ '۱۹/مارچ ۲۱۵۰ء' میں نورالحسنین نے بڑی مہارت سے سائنس اور ٹکنالوجی کی ارتقائی صورت کو پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی افسانے میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ کہیں ترقی کے جنون میں ہم پرانے زمانے کی صالح قدروں کو تو فراموش نہیں کرتے جا رہے ہیں؟

خضر میاں نے بٹن دبایا اور اسکرین پر ۱۹/مارچ ۲۱۵۰ء کی تاریخ منہ چڑھانے لگی۔ اُنھوں نے گردن اونچی کی اور ۱۷۵/منزلہ عمارت کے فلیٹ نمبر ایک کی کھڑکی میں سے نیچے دیکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ بھی دِکھائی نہیں دیا۔ اُنھوں نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا، آج میری ۱۶۶/ویں سالگرہ ہے لیکن منانے کے لیے اس وقت کوئی بھی میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں مبارکبادیوں کے پیغامات خوب مل رہے ہیں۔ اُنھوں نے البم کو کلک کیا اور اُن کے سامنے اُن کی بیوی کی تصویر آ گئی اور اُن کے منہ سے نکلا، ''کیا یہ ضروری تھا کہ تم بھی مجھے چھوڑ کر پلوٹو کے شہر زم زاں میں ڈاکٹری کرو؟ اور وہ نالائق بھی میری مرضی کے خلاف مریخ کی کسی دور افتادہ بستی میں اپنی بیوی کے ساتھ آباد ہو گیا۔ پورے پندرہ برس ہو گئے اور میں یہاں اکیلا......'' ابھی اگلا جملہ ان کے دماغ میں آنے ہی والا تھا کہ سامنے کی دیوار میں کچھ چنگاریوں کے مانند تنکے گردش کرنے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دھندلے عکس نمایاں ہونے لگے۔ اُن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، وہ عکس دو خوب صورت بچوں میں تبدیل ہو گئے اور اُن کی معصوم آوازیں بلند ہوئیں، ''دادا جان سالگرہ مبارک ہو!''

''تم......؟'' انھوں نے اپنی باہیں پھیلا دیں اور دونوں بچے اُن کے سینے سے لگ گئے۔ ''تم دونوں اچانک یہاں کیسے پہنچ گئے؟''

''دادا جان! ہم تو چاند پر کھیل رہے تھے کہ دادی اماں کا میسیج ملا کہ آج تمھارے دادا جان کی سالگرہ ہے۔'' بارہ برس کے روشن نے دادا کو چھوڑ کر پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بتایا اور آٹھ برس کی روشنی نے دادا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہنا شروع کیا، ''دادی امّاں کا حکم تھا کہ تمھارے دادا اکیلے ہیں۔ سالگرہ کے دن اکیلا رہنا اُنھیں بالکل پسند نہیں ہے۔ جاؤ اور جا کر اُن کی سالگرہ سلی بریٹ کرو...... اور بس ہم آ گئے۔''

''لیکن تم لوگ تو مریخ......!''

’’دادا جان! چاند پر نیا اسکول قائم ہوا ہے۔ ہم نے وہیں پر ایڈمیشن لیا ہے۔‘‘
’’اوہ......!‘‘ خضر میاں نے حیرت سے بچوں کی جانب دیکھا۔
’’دادا جان! آپ ہمارے ساتھ مریخ پر کیوں نہیں رہتے؟‘‘ روشنی نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔
’’بھائی! یہ Exit ہونے میں ہمیں بڑا ڈر لگتا ہے۔ خدا نخواستہ ہمارے بدن کے ذرّات ایک جگہ جمع نہ ہوئے تو......؟‘‘
’’دادا جان! اِدھر سے اُدھر Exit ہونے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ بس ایک بار اس کے پروسیس سے گزرنا پڑتا ہے۔‘‘ روشن اپنے دادا کو سمجھانے لگا۔ ’’یہ ایک بٹن آپ کی کلائی میں لگا دیا جاتا ہے۔ یہ دیکھیے ......‘‘ اُس نے اپنی کلائی دادا کے سامنے کردی۔ ’’بس جب بھی آپ کسی مقام پر جانا چاہیں، اُس شہر کا نام اور کوڈ نمبر کے ساتھ ہی ساتھ پتا بھی اس بٹن میں سیٹ کردیں، وہ آپ کو وہاں تک پہنچا دے گا۔‘‘
’’نہیں بیٹے! ہم تو یہیں ٹھیک ہیں۔ تم لوگوں کی محبت میں اگر یہ رِسک لے بھی لیں تو ہمارا دل اسی زمین میں لگا رہے گا۔‘‘
’’دِل......!‘‘ روشنی نے حیرت سے دادا کی طرف دیکھا، ’’دادا جان! یہ دل کیا ہوتا ہے؟‘‘
’’اری بے وقوف! تمھیں دل نہیں معلوم؟‘‘ روشن سمجھانے لگا، ’’دل ہمارے بدن میں وہ عضو ہے جس کے چار چیمبر ہوتے ہیں ......‘‘
’’بیٹے! میں اُس دل کی بات نہیں کررہا تھا جو ایک لوتھڑے کی مانند ہمارے جسم میں ہوتا ہے۔‘‘
’’پھر ...... اور دل کیا ہوتا ہے؟‘‘ روشن بھی حیرت سے خضر میاں کی طرف دیکھنے لگا۔
’’دادا جان! کہاں کھو گئے آپ؟‘‘ روشن نے انھیں اپنی طرف متوجہ کیا۔
’’دادی امّاں نے سالگرہ سیلی بریٹ کرنے کو کہا ہے۔ ہم اپنے ساتھ بہت کچھ لے کر آئے ہیں۔ بس ذرا لگیج کا بٹن دبا دیں تو ......‘‘
’’ارے ٹھہرو بچو! اس بار وہ سب رہنے دو۔ آج ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اس زمین پر بیسویں صدی میں سالگرہ کس طرح منائی جاتی تھی۔‘‘ دونوں بہن بھائی حیرت سے دادا جان کی طرف دیکھنے لگے۔
اور خضر میاں اُنھیں بتانے لگے، ’’بیٹا! اُن دنوں جس کی بھی سالگرہ ہوتی اُسے سب سے پہلے صبح صبح گرم گرم پانی سے خوب نہلایا جاتا۔‘‘
’’پانی سے نہلایا جاتا تھا؟‘‘ روشن نے دادا کی بات کاٹی، ’’وہ اسٹیم باتھ کیوں نہیں کرتا تھا دادا جان؟ اُف کتنا زیادہ پانی ویسٹ ہوتا ہوگا۔‘‘
’’اُن دنوں زمین پر بہت پانی تھا بیٹے۔ ہر گاؤں اور شہر میں ندیاں بہتی تھیں۔
’’پانی کی ندیاں؟‘‘ روشنی نے بھی حیرت کا اظہار کیا اور خضر میاں سوچنے لگے، بیٹے! تم کیا جانو؟ سنتے ہیں کہ کبھی اس زمین پر تو دودھ کی ندیاں بھی بہتی تھیں۔
’’اور کیا کیا ہوتا تھا دادا جان؟‘‘
’’ایک بڑا سا کیک لایا جاتا۔ اُس پر عمر کے مطابق موم بتیاں لگائی جاتیں۔ سارا خاندان، دوست احباب جمع ہوتے تھے۔ تالیوں کی گونج اور سالگرہ مبارک کے شور میں کیک کاٹا جاتا اور پھر سب پلیٹوں میں اسے لے کر چمچے سے کھاتے۔‘‘ دونوں بھائی بہن

ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔

''پلیٹوں میں لے کر چمچے سے کھاتے تھے!''

''ہاں......اس کے بعد دسترخوان لگتا اور سب مزے مزے کے کھانے کھاتے۔''

''تو آج آپ بھی اپنی سالگرہ اسی طرح منائیں نا دادا جان......'' روشن کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

''اب تو یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے بیٹے۔''

''کیوں......؟''

خضر میاں نے ایک لمبی سانس لی، ''اس لیے کہ اُس زمانے میں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ اناج پیدا ہوتا تھا اور اسی اناج سے قسم قسم کے پکوان پکائے جاتے تھے۔''

''دادا جان! آپ کتنی حیرت انگیز باتیں ہمیں بتا رہے ہیں۔ یہ کھیتی باڑی کیا ہوتی تھی؟'' روشنی کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔

''کھیتی...... بیٹے زمین کا ایک بڑا حصہ ہوتا تھا۔ اس پر کسان ہل چلاتا۔ آسمان سے برسات ہوتی۔ کسان زمین میں بیج بوتا۔ اُس سے پودے اُگتے۔ پھر اُن میں بالیاں لگتیں۔ وہ پکتیں۔ پھر کسان انھیں ایک جگہ جمع کرتا۔ اُن بالیوں سے اناج نکالتا، اسے صاف کرتا اور بوروں میں بھر بھر کر بازار لے آتا۔ لوگ انھیں خریدتے۔ گھروں میں چولہے سلگتے، اُن پر مزے مزے کے کھانے پکتے اور پھر سب پیٹ بھر کھاتے تھے۔''

''تب کتنا مزہ آتا ہوگا......ہے نا دادا جان؟''

''میرے لال! ہم نے بھی یہ سب کچھ بس کتابوں ہی میں پڑھا ہے۔'' خضر میاں بتانے لگے، ''کہتے ہیں کہ اُس وقت آدمی اس طرح فلیٹوں میں مقید نہیں ہوتا تھا۔ ہر فرقہ اپنا ایک مذہب بھی رکھتا تھا اور ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو خوشیوں کے نام پر کچھ تہوار بھی بخشے تھے۔ جب بھی یہ تہوار آتے پورے ملک میں چھٹی منائی جاتی۔ لوگ ایک دوسرے کے گھر جاتے، ایک دوسرے کو تہوار کی مبارکباد پیش کرتے اور ساتھ مل بیٹھ کر کھانے کھاتے، خوشیاں مناتے تھے۔''

''دادا جان! یہ مذہب کیا چیز تھا؟''

''آہ...... مذہب ایک مکمل ضابطۂ حیات......''

''تو کیا ہماری حیات اب کسی ضابطے کی پابند نہیں ہے؟''

دادا جان ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگئے۔ ان کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ گویا وہ اُن ضابطوں کو ڈھونڈ رہے ہوں لیکن کوئی سرا اُن کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ ہر سمت انھیں نفسا نفسی ہی نظر آ رہی تھی۔ انسانی نسل پورے نظامِ شمسی میں پھیل چکی تھی۔ اب نہ کسی کے پیدا ہونے کی خوشی تھی نہ مرنے کا غم تھا۔ بس تعلقات ایک دوسرے تک پیغاموں میں محصور ہو گئے تھے۔ انھیں یاد آیا، ان کی بیوی نے بھی پلوٹو جانے کی اجازت نہیں بلکہ صرف اطلاع دی تھی۔ اس سائنس اور تکنالوجی کے دور میں دائمی رفاقتیں اپنی اہمیت کھو چکی ہیں۔ اس کے بعد وہ آج تک لوٹ کر نہیں آئی۔ لیکن سوچو تو کون سا کام رُکا ہے؛ کوئی بھی تو نہیں...... اس کی محبت اسی طرح قائم ہے اور اس کے محبت بھرے پیغامات آتے رہتے ہیں۔ لڑکے نے بھی مریخ جانے کی اطلاع پہلے سے نہیں، وہاں پہنچ کر ہی دی تھی۔ بیٹی نے اپنے لیے کوئی ساتھی منتخب کرلیا تھا۔ خدا جانے وہ کس سیارے پر زندگی گزار رہی ہے۔ کوئی غیبی طاقت پورے عالم پر حکومت کر رہی ہے ورنہ کوئی قانون

ہے نہ کوئی گرفت۔ اچھائی اور برائی کی تمیز مٹ چکی ہے۔ جرم اور سزا کا تصور عنقا ہو چکا ہے۔ رشتوں سے نمک اور خلوص سے مٹھاس غائب ہو چکی ہے۔ شاید میں بھی اب وہ نہیں رہا، مجھ میں بھی کہیں ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے اور کیا پتا......

ٹھیک اسی وقت مانیٹر نے دو بجنے کا اعلان کیا اور خضر میاں کو جیسے ایک دم یاد آ گیا اور اُنھوں نے بچوں سے کہا، ''بچو! تم جب سے آئے ہو کچھ نہیں لیا۔ جاؤ......دوسرے کمرے میں کولڈ ریج رکھا ہوا ہے۔ اس میں مختلف کھانوں کے tablets رکھے ہوئے ہیں۔ تمھیں جو بھی پسند ہو، لے لو اور کھا لو۔''

''دادا جان! آج ہم نے بھی طے کیا ہے کہ بھوک مٹانے کی خاطر ہم کوئی ٹیبلیٹ نہیں کھائیں گے۔'' دونوں کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔

''پھر؟'' خضر میاں نے حیرت کے ساتھ دونوں کی طرف دیکھا۔

''آج آپ ہمیں بیسویں صدی کا کوئی کھانا پکا کر کھلائیں۔''

خضر میاں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''میرے بچو! یہ تو اب بہت مشکل ہے۔'' اُنھوں نے ۱۷۵۷ منزلہ عمارت سے نیچے کی طرف دیکھا، ''ماضی بہت خوشگوار ہوتا ہے لیکن اسے دوبارہ واپس نہیں لایا جا سکتا۔ یہاں تمھاری سائنس اور ٹکنالوجی بھی فیل ہو جاتی ہے۔''

روشنی نے کہا، ''دادا جان! ہم ماضی کو واپس نہیں لا سکتے لیکن اس کے تصور میں تو جی سکتے ہیں۔''

''دادا جان! آپ ہمیں اپنا اسٹور روم دِکھائیے تو سہی۔''

خضر میاں کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ بچوں کے ساتھ اپنے اسٹور روم میں پہنچے اور مختلف ڈبوں اور برتنوں کو کھنگالنے لگے۔ ایک کے بعد ایک ڈبا کھلتا جا رہا تھا اور برسوں پرانی اشیا ماضی کے کواڑ کھول رہی تھیں۔ آخر وہ کسی طرح کچھ مٹھی چاول، مسور کی دال اور کھانا پکانے کے کچھ مسالوں کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔

اور پھر کچھ ہی دیر میں کھچڑی پک گئی اور اس کی سوندھی سوندھی خوشبو مہکنے لگی۔ خضر میاں نے فرش پر دسترخوان بچھایا، پلیٹوں میں کھچڑی نکالی اور تینوں اُسے کھانے لگے۔ کھچڑی کا مزہ اُن کے چہروں سے عیاں ہو رہا تھا۔ کھاتے کھاتے روشن نے دادا سے پوچھا، ''دادا جان! کیا ہم دوبارہ اس طرح کے کھانے پکا کر نہیں کھا سکتے؟''

خضر میاں نے محبت بھری نظروں سے اپنے پوتے کی طرف دیکھا، ''بیٹے! کھا تو سکتے ہیں لیکن اب کھیتی باڑی کون کرے گا؟''

روشن نے دادا کی طرف دیکھا اور پھر پورے اعتماد کے ساتھ کہا، ''دادا جان! یہ کام میں کروں گا۔''

خضر میاں نے محبت بھری نظروں سے روشن کی طرف دیکھا۔ عظیم ترین ترقی یافتہ دور کا آدمِ ثانی اُن کی نظروں کے سامنے تھا۔ اُس کے پُر اعتماد لہجے سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اُنھوں نے اُسے پیار سے دیکھا اور بولے، ''میرے لال! آج انسان ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا ساری کائنات میں پھیل گیا ہے۔ تمھاری منزل کا راستہ مراجعت میں نہیں بلکہ اُس کہکشاں میں ہے جس کا راستہ تمھیں خود ہی تلاش کرنا ہے۔''

اچانک انھیں خیال آیا کہ بچوں کو واپس بھی جانا ہے۔ اُنھوں نے فوراً کہا، ''بیٹے! اب واپسی کا قصد کرو۔ تمھارے ماں باپ پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

''دادا جان! یہ پریشانی کیا ہوتی ہے؟''

’’بیٹے ! یہ بھی میرے دل کی طرح کوئی چیز ہے جسے بیان کرنا بہت مشکل ہے۔‘‘
دونوں بہن بھائی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اپنی کلائی پر لگے ہوئے بٹنوں کو سیٹ کرنے لگے اور پھر پل بھر میں اُن کا وجود بے شمار چنگاریوں میں تبدیل ہوگیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔
۱۷۷۵منزلہ عمارت کے فلیٹ کی کھڑکی سے لگے خضر میاں آسمان کی طرف دیکھنے لگے......۔

****

۳ ڈاکو طے کریں گے

م۔ناگ

جان پہچان : م۔ناگ کا اصل نام سیّد مختار ہے۔وہ یکم جولائی ۱۹۵۰ء کو مدھیہ پردیش کے ایک چھوٹے سے گاؤں ’سارا‘ میں پیدا ہوئے۔وہ ناگپور میں پلے بڑھے، تعلیم حاصل کی اور روزگار کی تلاش میں ممبئی آگئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔اُردو دنیا میں وہ ایک منفرد افسانہ نگار کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ان کے افسانوں کی بڑی خوبی اُن کا طرزِ نگارش ہے۔ان کے جملوں کی بندش ستار پر تنے ہوئے تاروں کی طرح کسی ہوئی ہے۔ان کی نثر میں ایک خاص قسم کا آہنگ ہے جو قاری کے لہو میں ایک تھرکن کی سی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ان کے افسانوں کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں: ’ڈاکو طے کریں گے، غلط پتا اور چوتھی سیٹ کا مسافر‘۔مہاراشٹر اُردو اکیڈمی نے ان کے مجموعوں کو انعامات سے نوازا ہے۔وہ بطور صحافی کئی اخباروں سے وابستہ رہے۔۲۱ / اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

’ڈاکو طے کریں گے‘ م۔ناگ کے منفرد لب و لہجے کا نمائندہ افسانہ ہے۔افسانے میں ریل کو ملک کا استعارہ بنایا گیا ہے۔خوف، بے یقینی اور بے بسی میں مبتلا مسافر ملک کے عوام ہو سکتے ہیں جنھیں نظر نہ آنے والے ڈاکو نامعلوم منزل کی طرف ہانکے لیے جا رہے ہیں۔ یہ ڈاکو کون ہیں؟ ملک کے بدعنوان سیاست داں یا وہ نام نہاد رہنما جن کے ہاتھوں میں قوم کی باگ ڈور ہے؟
آغاز سے انجام تک افسانے میں ایسا تناؤ ہے کہ لمحہ بہ لمحہ قاری کا اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔

’’سامان باندھ لو۔گھر نزدیک ہے۔‘‘ کوئی کہتا ہے اور جب کہنے والا نظر نہیں آتا تو میں سرپٹ بھاگتی ٹرین سے ماضی ہوتے ہوئے مناظر دیکھنے لگتا ہوں ......میں تو کب سے یہ بھی نہ طے کر پا رہا ہوں کہ ٹرین بھاگ رہی ہے یا بھگائی جا رہی ہے۔مگر یہ تو فقط ایک ہی سوال ہے۔اور دوسرے کئی سوال جو سارے کمپارٹمنٹ میں چکر لگا رہے ہیں کہ ہم جا کس سمت میں رہے ہیں کہ یہ بے سمتی آخر کس منزل پر ختم ہوگی؟

......یہ ٹرین کب تک پہنچے گی؟

......آپ کو کہاں پہنچنا ہے؟

......کانپور

......کانپور اور ناگپور میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہے، یہ دیکھیے۔

......ہمیں تو یہ بھی پتا نہیں کہ ٹرین جا کہاں رہی ہے؟ : شلوار

......ٹکٹ دیکھو! شاید ٹکٹ پہ لکھا ہو کہ تمھیں جانا کہاں ہے : دھوتی

......ٹکٹ پہ بھلا کب صحیح لکھا ہوتا ہے۔ ٹکٹ پہ کچھ لکھا ہوتا ہے آدمی پہنچ کہیں اور جاتا ہے : پینٹ

......کیا تم کسی ریل میں جا رہے ہو : دھوتی

...... ارے ہاں! اچھا یاد آیا۔ ریلی والوں سے پوچھ لو۔ کمپارٹمنٹ میں کوئی نہ کوئی ریلی والا ضرور مل جائے گا۔ یہ ٹرین ویسے بھی ریلی والوں کے لیے زیادہ چلتی ہے۔ چلو ریلی والوں کو ڈھونڈیں۔ وہ ہمیں بتا سکیں گے کہ ہم کس سمت کوچ کر رہے ہیں کہ کر بھی رہے ہیں یا نہیں؟ اور کہاں تک جائیں گے کہ جائیں گے بھی یا کہ نہیں؟ اور کب تک پہنچیں گے کہ پہنچیں گے بھی یا کہ نہیں۔

☆☆☆

چشمہ کتاب پڑھ رہا ہے۔

......ایکسکیوزمی، کیا اس کتاب میں کہیں لکھا ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ : ساڑی

......میں وہی تلاش کر رہا ہوں : چشمہ

...... ملے تو مجھے بھی بتانا پلیز : شلوار

''سامان باندھ لو۔ گھر نزدیک ہے۔'' پھر کوئی کہتا ہے۔ وہ کون ہے؟ وہ کس کے لیے کہہ رہا ہے کہ سامان باندھ لو......مگر کوئی نظر نہیں آتا اور جب کوئی نظر نہیں آتا تو میں بھاگتی ٹرین سے ماضی ہوتے مناظر دیکھنے لگتا ہوں۔ پیچھے کی طرف بھاگتی ہریالیاں اور ٹیلی فون کے تاروں پر بیٹھے پرندے۔ گھاٹیوں سے گزرتی ٹرین اور کالا آسمان ......وہ شہر گھپ اندھیروں میں گھرا میرا شہر! نہیں نہیں! میں اندھیرے میں سفر نہیں کروں گا۔ میں سارے دروازے اور کھڑکیاں کھول دینا چاہتا ہوں۔ مجھے ہوا کی سخت ضرورت ہے، ہوا کی اور روشنی کی!

......ٹرین ٹھیک چوبیس گھنٹے لیٹ ہے۔ کل کی ٹرین آج لگی ہے : پینٹ

...... آپ نے یہ سر پہ کفن کیوں باندھا ہوا ہے؟ : دھوتی

......کیا پتا کب کوئی حادثہ پیش آئے۔ ٹرین ٹرین سے بھڑ جائے : تلک والی پیشانی

☆☆☆

''سامان باندھ لو۔ گھر نزدیک ہے۔'' کون؟ کون؟ اچھا تو یہ سادھو مہاراج ہیں۔ میرے ساتھ دو چار لوگ اور بھی اُٹھے اور ہم نے اسے گھیر لیا۔ آناً فاناً کی تو دبوچ لیا۔

''بول! کہاں جا رہی ہے یہ ٹرین کہ جا بھی رہی ہے یا نہیں؟......کس نے طے کی ہے اس کی منزل کہ طے کی بھی ہے یا نہیں؟

......ہمیں کہاں کا ٹکٹ دیا گیا ہے کہ دیا گیا بھی ہے یا نہیں۔''

کئی سوال مگر سادھو کا ایک ہی جواب ''میں نہیں جانتا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔''

''یہ جانتا ہے تبھی تو کہتا ہے......سامان باندھ لو''

''بول نہیں تو دبا دوں گا گلا۔''

''تجھے کیا ضرورت ہے ہر کسی کے سامان بندھوانے کی؟ سامان کھلا پڑا ہے وہی اچھا ہے۔ کوئی کیا کیا باندھے اور کب تک

باندھے؟''

''کیا تمھیں کوئی سوال پریشان نہیں کرتا؟''

''نہیں......''

''کیوں نہیں؟ آخر تم جا کہاں رہے ہو؟''

''کہیں نہیں......چھوڑ دو مجھے۔''

''مشکل تو ہم لوگوں کی ہے۔'' پینٹ کہتا ہے، ''جو کہیں جانے کے لیے نکلے، کہیں پہنچنے کے لیے مگر کہیں پہنچ نہیں پا رہے ہیں۔ کب سے نکلے اب تو ٹھیک ٹھیک کچھ یاد بھی نہیں...''

کیا ڈرائیور یہ جانتا ہے کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے؟ : ایک آواز

تبھی کہتا ہے سونے کی زنجیر والا گلا ''ٹھہرو......فکر کیوں کرتے ہو۔ ابھی ڈاکو آئیں گے وہی طے کریں گے کہ ہماری منزل کہاں ہے۔''

''ڈاکو!!''

یہ ڈاکو کون ہوتے ہیں جی ہماری منزل طے کرنے والے : ہیرے کی انگوٹھی والا ہاتھ

ڈاکو......ڈاکو ہوتے ہیں......وہ ایک طاقت ہوتے ہیں : کڑے والا ہاتھ

وہی لکھیں گے ہمارے نصیب : سونے کی زنجیر والا گلا

نصیب! اُف خدایا : کالی ٹوپی

لکھ ہی رہے ہیں۔ باقی کیا بچا ہے : کالا کوٹ

کیا ڈرائیور یہ جانتا ہے کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے : پہلا

یہ کون کانٹے بدل رہا ہے؟ یہ کون سگنل دے رہا ہے؟ : دوسرا

ہم سے بنا پوچھے۔ یہ کون ہمیں دوڑائے لیے جا رہا ہے : تیسرا

مزا آ رہا ہے نا؟......ایسا ہی ہوتا ہے سفر : پہلا

ٹرین والے کیا آپ کے نوکر ہیں کہ بتاتے پھریں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں : کنڈکٹر

......دھائیں، دھائیں!

سارے لوگ چپ، صرف ٹرین کی گڑگڑاہٹ!

''چپ چاپ جو کچھ بھی ہے ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ بھون دیے جاؤ گے۔''

دھائیں، دھائیں!!

''یہ ڈاکو کہاں سے آ گئے؟ ٹرین تو کہیں رُکی نہیں۔ پھر یہ ڈاکو کہاں سے آ گئے۔''

''یہ ہمارے ساتھ ہی چلے تھے۔ یہ ہمارے ہم سفر ہیں۔ یہ ہماری جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ یہ کہیں باہر سے نہیں آئے ہیں، کیا سمجھے...... نہیں سمجھے؟''

''اجی سرکار! ہم تو کب سے منتظر تھے کہ آپ آئیں اور ہمیں لوٹ لیں۔ ہماری عزّت، دھن دولت ...... ہم تو کب سے منتظر

تھے ...... مگر ہماری منزل ضرور طے کردیں!"

سرپٹ بھاگتی ٹرین سے ماضی ہوتے مناظر۔ایک ٹوٹا پھوٹا Abandoned گھر گزر گیا۔وہ منظر کہ بڑی بڑی کٹورا آنکھیں کہتی ہیں : کیا تم جانتے ہو Potassium کو پانی میں ڈال دیا جائے یا Calcium کو ہوا میں چھوڑ دیا جائے تو Silent combustion ہوتا ہے اور آواز نہیں آتی۔اسی طرح دل جلتا ہے،دل ٹوٹتا ہے اور آواز نہیں آتی۔آوازیں تو مشینوں سے نکلتی ہیں اور بھونپو سے اور گولیوں سے!

دھیرے دھیرے یادوں کا اُپلا سلگ رہا ہے اور اندھیرا......گھپ اندھیرا چاروں سمت پھیلتا جارہا ہے۔ماچس ڈھونڈنے والا ہاتھ خاموش ہے۔ماچس مل بھی گئی تو کیا موم بتی اتنی آسانی سے مل جائے گی!

دھائیں ، دھائیں !!

"ڈاکوآئے۔ڈاکوآئے۔"

"سب کچھ ہمارے حوالے کردو ورنہ بھون دیے جاؤ گے۔"

"بھوننے کی کیا ضرورت ہے۔سب کچھ بُھنا بُھنایا ہے جی۔"

☆☆☆

کھڑکیوں سے باہر رات گھر آئی ہے۔ٹرین سرپٹ بھاگ رہی ہے جیسے کوئی اس کے پیچھے چابک لیے پڑا ہو اور دوڑائے جارہا ہو!

"طے ہوگیا......طے ہوگیا۔"

"لیجیے ایک جھٹکے میں طے ہوگیا۔"

"کیا طے ہوگیا؟"

"یہی کہ ہم کہاں جارہے ہیں کہ جا بھی رہے ہیں یا کہ نہیں،کہ ہماری سمت کون سی ہے کہ ہے بھی یا کہ نہیں!"

خدا کا شکر ہے : کوٹ

چلو،ان سوالوں سے نجات تو ملی : پینٹ

خدا ڈاکوؤں کا بھلا کرے!: ٹوپی

"دوستو! ہم پھر وہیں لوٹ رہے ہیں جہاں سے چلے تھے۔ڈاکوؤں نے بندوق کی نال پر ہماری منزل طے کردی ہے۔ہم سب ان کے آبھاری ہیں!"

****

مشق

آخری خواہش

۱۔ افسانے کے مرکزی خیال کو مختصراً بیان کیجیے۔

۲۔ افسانے کے مرکزی کردار کا حلیہ اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۳۔ افسانے کے پہلے جملے: ''ہجور! آخری خواہش .... کھانے کو دیں۔'' اور آخری جملے: ''تو صاحب .... یہ کھانا بھی اُن کو دے دیجیے گا۔'' کے ربط کو بیان کیجیے۔

۴۔ پرما کو پھانسی دینے سے پہلے کی کارروائی اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۵۔ 'کیا واقعی پرما قصوروار تھا؟' اپنی رائے دیجیے۔

۶۔ افسانے کا عنوان موزوں ہے یا نہیں؟ دونوں کے لیے وجہ بیان کیجیے۔

۱۹/مارچ ۲۱۵۰ء

* مختصراً بیان کیجیے۔

۱۔ خضر میاں کے زمین پر تنہا رہ جانے کی وجہ بیان کیجیے۔

۲۔ خضر میاں کے افرادِ خانہ کی مختصراً معلومات دیجیے۔

۳۔ دل اور پریشانی کی تشریح کیجیے۔

۴۔ افسانے کے حوالے سے Exit کے عمل کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

۵۔ 'یہ کھیتی باڑی کیا ہوتی ہے؟' خضر میاں کے جواب کو اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۶۔ آپ کی رائے میں افسانہ دلچسپ ہے / غیر دلچسپ ہے؟ وجوہات لکھیے۔

ڈاکو طے کریں گے

* مختصراً بیان کیجیے۔

۱۔ م۔ناگ کا اصل نام لکھیے۔

۲۔ م۔ناگ کی کتابوں کے نام لکھیے۔

* سبق کی مدد سے وضاحت کیجیے۔

۱۔ کانپور اور ناگپور میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔

۲۔ ٹرین چوبیس گھنٹہ لیٹ ہے۔کل کی ٹرین آج لگی ہے۔

۳۔ سرپٹ بھاگتی ٹرین سے ماضی ہوتے مناظر دیکھنے لگتا ہوں۔

۴۔ بھؤننے کی کیا ضرورت ہے۔سب کچھ بُھنا بُھنایا ہے جی۔

۵۔ ڈاکوؤں نے بندوق کی نال پر ہماری منزل طے کردی ہے۔

* سبق کی روشنی میں صحیح لفظوں کا انتخاب کرکے خانہ پُری کیجیے۔

۱۔ سامان باندھ لو ....نزدیک ہے۔
(گاؤں ، اسٹیشن ، گھر)

۲۔ یہ بے سمتی آخر کس .... پر ختم ہوگی؟
(جگہ ، مقام ، منزل)

۳۔ دھیرے دھیرے یادوں کا ....سلگ رہا ہے۔
(ایندھن ، کوئلہ ، اُپلا)

۴۔ وہی لکھیں گے ہمارے ....
(نصیب ، کام ، نام)

۵۔ جو کچھ بھی ہے ہمارے حوالے کردو ورنہ .... دیے جاؤ گے۔
(بھگا ، بھوُن ، مار)

نمونہ سرگرمی شیٹ (Model Activity Sheet)
اُردوزبان اوّل URDU (First Language)
نویں جماعت Std. IX

Time : 3 Hrs. **Max. Marks : 80**

حصّہ اوّل : نثر

تفہیم - قواعد - ذاتی رائے

ا (الف) درج ذیل اقتباس کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔ **(08)**

ا۔ اقتباس کے حوالے سے ذیل کا رواں خاکہ (flow chart) مکمل کیجیے۔ (02)

سبق کا نام ← [ ] ← مصنف کا نام ← [ ] ← ماخذ کا نام ← [ ] ← صنف کا نام ← [ ]

اقتباس (صفحہ نمبر ۴۵)

”وو ماجائی میرا حال دیکھ کر......................اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو، یا آپ بیچیو۔

۲۔ درج ذیل سرگرمیوں کو مکمل کیجیے۔ (02)

(i درویش کی اپنی بہن کی صلاح قبول کرنے کی وجہ لکھیے۔

(ii ان چیزوں کے نام لکھیے جن کے ذریعے بہن نے بھائی کی نظر اُتاری۔

(iii بہن کے گھر بھائی کے رہنے کی میعاد لکھیے۔

(iv اُن چیزوں کے نام لکھیے جو بھائی کو صبح و شام دیے جاتے تھے۔

۳۔ درج ذیل میں سے کسی ایک سرگرمی کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔ (02)

(i اقتباس سے دو محاورے تلاش کرکے لکھیے۔

(ii اقتباس سے درج ذیل کے ہم معنی الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

(الف) سکونِ قلب (ب) تکلیف (ج) ارادہ (د) ماں کی جگہ

۴۔ بہن کی صلاح دراصل بھائی کے گھر سے نکل جانے کا حکم تھا، اقتباس کے حوالے سے اس بیان پر اپنی رائے دیجیے۔ (02)

ا (ب) ذیل کے درسی اقتباس کو غور سے پڑھیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔ **(08)**

ا۔ ذیل کی سرگرمیوں کو مکمل کیجیے۔ (02)

(i بخار کی خاطر مدارات کرنے والی چیزوں کے نام لکھیے۔

(ii بخار کو جن دو تشبیہات سے واضح کیا گیا ہے ان کے نام لکھیے۔

اقتباس (صفحہ نمبر ۴۱)

کیا آپ نے کبھی غور........................

غالبؔ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

۲۔ بخار کے جاتے وقت مصنف کی بخار سے درخواست کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔ (02)

۳۔ درج ذیل کی واحد/جمع لکھیے۔ (02)

i) مصروفیت   ii) رمز   iii) اسرار   iv) ناظرین

۴۔ اقتباس کی روشنی میں غالبؔ کے مصرعے کا مفہوم واضح کیجیے۔ (02)

ا (ج) غیر درسی اقتباس کا بغور مطالعہ کر کے سرگرمیوں کو مکمل کیجیے۔ **(04)**

۱۔ خاکہ مکمل کیجیے۔ (02)

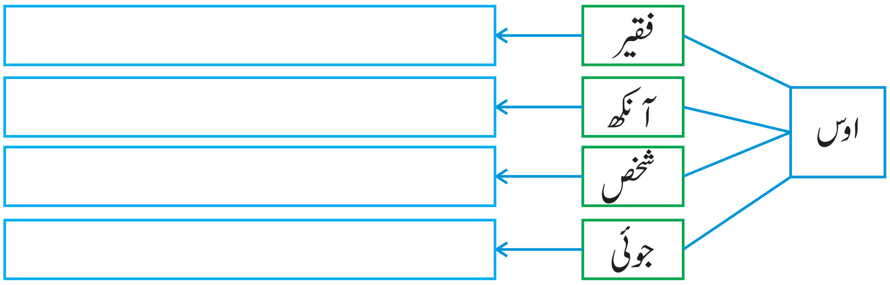

غیر درسی اقتباس

برسات کے موسم میں کوئی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کا خواستگار ہے۔ کسی کو اودی اودی، کالی کالی گھٹائیں پسند ہیں۔ کسی کا دل بادلوں کی کڑک اور بجلی کی چمک سے مست ہو جاتا ہے۔ مجھ کو تو برسات کی یہ ادا بھاتی ہے کہ مینہ برس کے کھل جاتا ہے اور صاف آسمان کی رات گزر جاتی ہے تو صبح کے وقت درختوں، پھولوں اور جنگل کی گھاس کی عجیب شان ہوتی ہے۔ اوس کے قطرے پھولوں کی پتیوں پر ایسے چپ چاپ نظر آتے ہیں جیسے رات کو آسمان کے تارے تھے۔

یہ تو سائنس والے بتائیں گے کہ اوس کیا چیز ہے؟ کہاں سے آتی ہے؟ کیوں آتی ہے؟ فقیر تو اتنا جانتا ہے کہ اوس قدرتِ ربانی کا عجیب و غریب جلوہ ہے۔ جن کی آنکھ سویرے بیدار ہونے کی عادی ہے وہ صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے اوس میں ذاتِ الٰہی کے ہزاروں جلوے مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک شخص کو دیکھا کہ باغ میں جوہی کے پھولوں کے پاس جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا اور ایسا مستغرق تھا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں تھی۔ درحقیقت جوہی کے پھول پر اوس کا انداز قیامت کا ہوتا ہے۔

اوس کی عمر بہت تھوڑی ہے۔ رات کو پیدا ہوتی ہے اور سورج نکلتے وقت مر جاتی ہے۔ اوس کی سیرابی بارانِ رحمت کی طرح ہر خاص و عام، چھوٹے بڑے، اونچ نیچ کے لیے یکساں مفید ہے مگر مینہ سورج کا مقابلہ کرتا ہے۔ بادلوں کے لشکر لاتا ہے تو آفتاب کو پوشیدہ ہونا پڑتا ہے۔ مگر اوس بے چاری بڑی ڈرپوک، صلح کل ہے۔ آسمان پر جب سورج کا عمل دخل نہیں رہتا اور بادل بھی اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اس وقت یہ نمودار ہوتی ہے اور سورج نکلنے کے ساتھ ہی جان دے دیتی ہے۔

۲۔ اقتباس سے متضاد الفاظ کی چار جوڑیاں تلاش کر کے لکھیے۔ (02)

حصّہ دوم : شاعری

نظم - غزل - رباعی - قطعہ

۲ (الف) ذیل کا شعری اقتباس غور سے پڑھیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔ (08)

۱۔ درج ذیل شعری اقتباس کی روشنی میں ذیل کی سرگرمی مکمل کیجیے۔ (02)

کار کو دی گئی تشبیہات

....	....	....	....

اقتباسِ نظم (صفحہ نمبر ۷۴)

نظم 'ہم نے کار خریدی' - ساغر خیامی - پہلے تین بند

۲۔ ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔ (02)

i) کار کی وہ حرکتیں لکھیے جس سے شاعر کڑھتا ہے۔

ii) ''آئے جو باپ سامنے، بیٹا یتیم ہو'' کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

۳۔ i) اقتباس سے انگریزی الفاظ تلاش کرکے مع معنی لکھیے۔ (02)

ii) اقتباس کے قافیے قدیم، یتیم کے ہم صوت الفاظ کی دو جوڑیاں لکھیے۔

۴۔ اپنی پسند کے بند کا انتخاب کیجیے اور اس میں شامل شعر میں موجود صنعتِ تشبیہ کی تشریح کیجیے۔ (02)

---

۲ (ب) (ا) درج ذیل شعری اقتباس کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔ (08)

۱۔ شعری اقتباس کے حوالے سے : (02)

i) فرصت کے لمحات میں شاعر کا کام لکھیے۔

ii) لوگوں سے سنی ہوئی بات لکھیے۔

iii) چشموں کی روانی کا کام لکھیے۔

iv) پہاڑوں پر آندھی کی کیفیت بیان کیجیے۔

شعری اقتباس (صفحہ ۹۳-۹۲)

غزل نمبر ۴ - ناصؔر کاظمی - آخری چار اشعار

۲۔ i) دیگر غزلوں کے مقابلے اِس غزل کی انفرادیت کو واضح کیجیے۔ (02)

ii) 'نئی دنیا کے ہنگاموں' کے مرادی معنی لکھیے۔

۳۔ i) شعری اقتباس سے قافیے کی جوڑیاں لگائیے۔ (02)

ii) شعری اقتباس سے اسم جمع تلاش کرکے لکھیے۔

۴۔ آپ کے خیال میں جو شعر سب سے مشکل ہو اُسے نثر میں لکھیے۔ (02)

حصّہ سوم: اضافی مطالعہ

۳ (الف) **(04)**

ذیل میں سے کوئی دو سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔ (02)

۱۔ جیل خانے میں پرما کے مشاہدے میں آئی ہوئی تبدیلی کو بیان کیجیے۔

۲۔ پرمانے کھانے کے برتنوں کے اطراف سجائی ہوئی چیزوں کی فہرست بنائیے۔

اضافی مطالعے سے اقتباس (صفحہ۱۰۲)

پرمانے......................تصرف میں ہو۔

(ب) اپنے پسندیدہ افسانے کے مرکزی خیال پر اظہارِ خیال کیجیے۔ (02)

حصّہ چہارم: قواعد

۴ ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔ **(10)**

(الف) i) درج ذیل کسی ایک محاورے کو اپنے جملے میں استعمال کیجیے۔ (02)

(الف) روشنی ڈالنا

(ب) جوتیاں چٹخانا

(ج) کافور ہونا

ii) درج ذیل کہاوتوں سے کسی ایک کا مفہوم لکھیے۔

(الف) جان ہے تو جہان ہے

(ب) نادان کی دوستی جی کا جنجال

(ج) آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

(ب) درج ذیل سے مفرد، مرکب اور مخلوط جملوں کی شناخت کیجیے۔ (02)

i) ڈرامے بہت عمدہ ہیں لیکن اسٹیج نہیں کیے جا سکتے۔

ii) زندگی ہر زمانے میں روپ بدل لیتی ہے۔

iii) قافلے کی آمد پر شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

iv) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

(ج) i) دیے ہوئے کسی ایک سابقے/ لاحقے سے ایک ایک مرکب لفظ بنا کر لکھیے۔ (02)

(الف) ہم (ب) نامہ

ii) درج ذیل جملے میں رموزِ اوقاف کا استعمال کر کے دوبارہ لکھیے۔

ہلکو نے اٹھ کر کہا کیا تو کھیت سے ہو کر آ رہی ہے

(د) دیے ہوئے اشعار سے کسی ایک کی صنعتِ شعری پہچان کر لکھیے۔ (02)

i) آ گیا اصلاح پر ایسا زمانے کا مزاج
تا زبانِ خامہ بھی آ تا نہیں حرفِ دوا

ii) ہوش و حواس و تاب و تواں داغؔ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

(ہ) درج ذیل سے کسی ایک صنف کی تعریف لکھیے۔ (02)

i) قطعہ ii) رباعی iii) انشائیہ iv) ڈراما

حصّہ پنجم : تحریری مہارت

۵ (الف) خط نویسی : ذیل میں دیے ہوئے پمفلٹ کے نکات کی مدد سے کوئی ایک خط لکھیے۔ (05)

رسمی خط	غیر رسمی خط
پمفلٹ کی روشنی میں ہیلتھ آفیسر کے نام خط/عریضہ لکھیے اور احتیاطی تدابیر، دواؤں کے چھڑکاؤ اور صاف صفائی کی طرف توجہ مبذول کرائیے۔	اپنے چھوٹے بھائی کے نام خط لکھیے اور اسے ڈینگو سے بچنے کے سلسلے میں احتیاطی اقدامات کی طرف دھیان دینے کے لیے کہیے۔

ڈینگو! ڈینگو!! ڈینگو!!!

ڈینگو سے بچیے اور ڈینگو سے بچائیے

بیداری مہم (۱۵؍اگست تا ۲۲؍اگست ۲۰۱۷ء)

افتتاح : بروز منگل، ۱۵؍اگست ۲۰۱۷ء بوقت صبح گیارہ بجے
مقام گاندھی مجسمہ، آزاد چوک، ایولہ (ناشک)

آغاز : عزّت مآب کمشنر جناب ڈاکٹر ہرشن وردھن صاحب

ریلی : این ایس ایس گروپ (تمام سینئر کالج کے طلبہ و طالبات)

ہدایات :
- کچرا کنڈی میں کچرا ڈالیں۔
- جراثیم کش دواؤں کا چھڑکاؤ کریں۔
- گندہ پانی جمع نہ ہونے دیں۔
- پانی کے برتن کو صاف ستھرا رکھیں۔
- ایئر کولر کا پانی تبدیل کرتے رہیں۔
- غیر ضروری فاضل اشیا کا ذخیرہ نہ کریں۔
- ہر تین دن بعد پانی کا ذخیرہ کرنے والے برتن کی صفائی کریں۔ پانی تبدیل کریں۔

ہرا بھرا شہر - صاف ستھرا شہر - ہمارا شہر
ہاتھ سے ہاتھ ملاؤ - شہر سے ڈینگو بھگاؤ

یا

آپ کا قریبی دوست/سہیلی نے 'سوچھ بھارت مہم' پوسٹر سازی مقابلے میں اوّل انعام حاصل کیا۔
مبارکبادی کے پانچ مختصر تہنیتی پیغام اُردو زبان میں ایس ایم ایس کیجیے۔

۵ (ب) واقعہ نویسی/کہانی نویسی : مندرجہ ذیل نکات کی مدد سے واقعہ مکمل کیجیے۔ **(05)**

کالج کے بچوں کا گروپ تعلیمی سیر کے لیے ساحلِ سمندر پہنچا۔ سمندر کی اونچی اونچی لہروں نے تیرا کی پر آمادہ کیا۔ اچانک شور ہوا اور ....

یا

نکات کی مدد سے کہانی مکمل کیجیے اور مناسب عنوان تجویز کیجیے۔

سخت گرمی...... بارش کا انتظار...... قحط...... لوگ فکرمند...... دعا کا ارادہ...... گاؤں کے باہر لوگ دعا کے لیے جمع...... معصوم بچی چھتری کے ساتھ...... بچی کا بھروسا...... دعا

۵ (ج) روداد نویسی : دعوت نامہ کی مدد سے روداد تحریر کیجیے۔ **(05)**

۲۱ فروری - عالمی یومِ مادری زبان

الحمدللہ! ہمارے اسکول میں 'عالمی یومِ مادری زبان' تقریب کا انعقاد کیا جارہا ہے۔

جھلکیاں

	صدارت	: محترم سیّد فہمان علی صاحب (ہیڈ ماسٹر)
تقریر	مقررین	: ❖ ادیبہ انجم (نہم الف) بعنوان 'میری مادری زبان اُردو'
		❖ کاشف ارسلان (نہم ڈی) بعنوان 'زبانیں سب ایک ہیں'
مکالمہ	سہ لسانی مکالمہ	: پیشکش - جماعت ہفتم
نظم	پیاری زبان میری	: پیشکش - جماعت ہشتم (ساز اور ترنم کے ساتھ)

وقت : صبح آٹھ بجے تا ۱۰ بجے ■ **مقام** : مولانا ابوالکلام آزاد ملٹی پرپز ہال، ڈاکٹر عثمان ہائی اسکول، سٹانا

۶ (الف) دیے ہوئے نکات کی مدد سے خبر بنائیے۔ **(05)**

NEET ڈریس کوڈ سے طلبہ پریشان

۷؍مئی - اتوار ...... پورے ملک میں NEET کا امتحان ...... پہلی مرتبہ ڈریس کوڈ کا سختی سے نفاذ ...... ہاف آستین شرٹ، ہیئر پن کلپ کے بغیر، جوتا موزہ پر پابندی ...... موبائل اور دیگر چیزوں کی ممانعت ...... پنسل اور کالی بال پین کی فراہمی ...... خوش گوار ماحول میں امتحان کا انعقاد۔

۶ (ب) درج ذیل میں سے کسی ایک موضوع پر اتفاق/ اختلافِ رائے پیش کیجیے۔ (05)

i) نیٹ امتحان میں اُردو زبان کی شمولیت

ii) سیمی انگلش میڈیم کا رجحان

iii) تعلیم میں موبائل کا استعمال

iv) ابتدائی تعلیم - مادری زبان میں یا پھر انگریزی میں

۶ (ج) کسی ایک عنوان پر اظہارِ خیال کیجیے۔ (05)

i) ٹیوشن - لعنت یا ضرورت

ii) سوچھ بھارت مہم اور ہم

iii) شجر کاری

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

उर्दू कुमारभारती इयत्ता ९ वी (उर्दू माध्यम)

₹ 65.00